اسلام کے بنیادی عقائد

(قرآن و حدیث کی روشنی میں)

ترتیب و تدوین

غلام مرتضیٰ علوی

اِسلام کے بنیادی عقائد

(قرآن و حدیث کی روشنی میں)

ترتیب و تدوین

غلام مرتضیٰ علوی

نظامت تربیت

تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل

365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 042-111-140-140
www.facebook.com/TahirulQadri
www.twittercom/TahirulQadri

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	اسلام کے بنیادی عقائد
اِفادات	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	غلام مرتضٰی علوی
معاونت	:	حافظ محمد کوکب نورانی، محمد منہاج الدین قادری
نظرِ ثانی	:	پروفیسر محمد نصر اللہ معینی
کمپوزنگ	:	عظمت فرید جوئیہ
ٹائٹل ڈیزائننگ	:	عبدالسلام مغل
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعت اول	:	جولائی 2013
تعداد	:	8000

زیرِ اِہتمام و رابطہ

نظامتِ تربیت، تحریک منہاج القرآن

آغوش کمپلیکس متصل دربارِ غوثیہ ٹاؤن شپ لاہور، فون: 042-35118546

بسم الله الرحمن الرحيم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

﴿صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ﴾

www.MinhajBooks.com

فہرس

صفحہ	عنوانات
۷	❁ پیش لفظ
۱۰	❁ عقیدے کی ضرورت و اہمیت
۱۳	❁ ابتدائیہ: اعتدال و توازن -- اہلِ حق کا طرۂ اِمتیاز
۱۷	اسلام کے بنیادی عقائد
۱۸	۱۔ ایمان باللہ
۲۲	۲۔ ایمان بالرسل
۲۵	(۱) عقیدۂ ختمِ نبوت
۲۹	(۲) آمدِ سیدنا اِمام محمد مہدی علیہ السلام
۳۳	(۳) شان و عظمتِ انبیاء کے بعض نمایاں پہلو
۳۵	i. ذکرِ میلادِ انبیاء
۴۱	بدعت کا حقیقی تصوّر
۴۶	ii. تصرفاتِ انبیاء
۵۱	iii. علمِ غیبِ انبیاء
۵۶	iv. توسل بالانبیاء

عنوانات	صفحہ
v. اِستعانت بالانبیاء	٦١
vi. تبرک بالانبیاء	٦٦
٣۔ایمان بالکتب	٧١
٤۔ایمان بالملائکہ	٧٦
٥۔ایمان بالآخرت	٨٠
(١)حیاتِ برزخی	٨٠
(٢)حیاتِ اَنبیاء علیہم السلام	٨٤
حیاتِ برزخی سے متعلق بعض مسائل	٨٩
i. تلقین میت	٩١
ii. سماعِ موتی	٩٦
iii. زیارتِ قبور اور اس کے آداب	١٠٢
iv. مزاراتِ اولیاء پر حاضری کے آداب	١٠٦
(٤)بعث بعدالموت (روزِ محشر اٹھایا جانا)	١١١
(٥)روزِ محشر اور شفاعت	١١٤
٦۔ایمان بالقدر	١١٩
ضعفِ اِعتقاد پر مبنی رسومات سے اجتناب	١٢٤

پیش لفظ

تاریخِ انسانی گواہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد سے قبل خطہ عرب ظلم و ستم، اور جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا، انسان! انسان کے خون کا پیاسا تھا۔ نرمی، محبت اور معافی کی بجائے اِنتقام کو بہادری اور عظمت سمجھا جاتا تھا، الغرض انسانیت جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھی۔ اللہ رب العزت نے انسانیت پر کرم کیا اور ان کی رہنمائی کے لیے اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کو ان میں مبعوث فرمایا، آپ ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کے سبب انسانیت میں انقلاب آ گیا۔ دلوں میں نفرت و انتقام کی جگہ محبت و الفت نے لے لی۔ جس کا ذکر اللہ رب العزت نے یوں فرمایا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَاط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ.

(آل عمران، ۳:۱۰۳)

''اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم (دوزخ کی) آگ کے گڑھے کے کنارے پر (پہنچ چکے) تھے پھر اس نے تمہیں اس گڑھے سے بچا لیا، یوں ہی اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ''۔

گویا ذاتِ مصطفیٰ ﷺ وحدت کی علامت ہے، ذاتِ مصطفیٰ ﷺ ہی نفرتوں کے خاتمے اور محبتوں کے فروغ کا واحد ذریعہ ہے۔ آج سے کم و بیش دو صدیاں قبل دشمنانِ اسلام نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے جو سازشیں کیں ان میں سب سے

بڑی سازش حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کو وجہ نزاع بنانا تھا۔ جو ذات مقدسہ محبت اور وحدت کی علامت ہے اُسی سے تعلق کو بدعت اور کفر و شرک بنا دیا گیا۔ دشمنان اسلام نے خطہ عرب میں فتنہ خوارج کو اٹھایا اور خطہ برصغیر میں فتنہ قادیانیت کو۔ ان دونوں فتنوں کے ذریعے آج بھی عقیدۂ رسالت کو کمزور کیا جا رہا ہے۔ دورِحاضر میں اختلاف اور نفرت کی بنیاد نسبت رسالت کے مختلف پہلوؤں پر اٹھائی گئی ہے۔ آج ذاتِ باری تعالیٰ، آسمانی کتب اور یوم آخرت کے عقائد پر مناظرے نہیں ہوتے بلکہ آج اُمت کو صرف نسبتِ رسالت کے مختلف پہلوؤں پر لڑایا جا رہا ہے، تاکہ ''ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے'' کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ دشمنوں کی سازشوں کے ساتھ ساتھ خود ہم نے بھی قرآن و حدیث سے اپنا تعلق توڑ رکھا ہے۔ ہم صحیح عقیدے کی خبر رکھتے ہیں اور نہ قرآن و حدیث سے اسکا دفاع کرتے ہیں۔ ہم نے پوری مذہبی زندگی قصے کہانیوں پر اُستوار کر رکھی ہے۔

تحریک منہاج القرآن کی نظامت تربیت نے اسی ضرورت کے پیش نظر اسلام کے بنیادی عقائد اور نسبت رسالت کی مضبوطی کے لیے ملک بھر میں ''عرفان العقائد کورس'' کا اجراء کیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب ''اسلام کے بنیادی عقائد'' اس کورس کا نصاب ہے۔

یہ کتاب قرآنِ مجید احادیث نبوی اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتبِ عقائد کی روشنی میں تیار کی گئی ہے۔

☆ اس کتاب میں اسلام کے بنیادی عقائد اور شان و عظمت انبیاء علیہم السلام کے بعض پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے تاکہ دلوں میں تقدیس انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ساتھ محبت و عشق رسول ﷺ کے چراغ جلیں۔

☆ اس کتاب میں پیش کردہ اکثر احادیث کتبِ صحاح ستہ سے منتخب کی گئی ہیں۔

☆ صرف عبارۃُ النص سے عقیدہ واضح کرنے والی آیات و احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے تاکہ تفسیر و تشریح کی حاجت نہ رہے۔

☆ عقائد کے باب میں اختصار اور جامعیت کے اعتبار سے یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔

☆ مسلکی اختلافات اور جھگڑوں سے اجتناب کرتے ہوئے اعتدال کے ساتھ عقائد صحیحہ کا فروغ اس کتاب کا بنیادی مقصد ہے۔

☆ اعتدال بیانی سے پیش کردہ عقائد کے حکمِ شرعی کے ذریعے افراط وتفریط اور شکوک و شبہات کا بھی خاتمہ کیا گیا ہے۔

☆ گزشتہ کئی صدیوں سے کتب عقائد کا حصہ نہ بننے والے بعض اہم عقائد کو بھی شامل کیا گیا ہے تا کہ عوام الناس کو فکری واضحیت میسر آئے۔

☆ ہر عقیدے کے اختتام پر مضامین کا بیان عقائد کی بہترین تشریح وتفسیر کے ساتھ ساتھ طلباء و معلمین کے لیے اِستنباط و اِستخراج کی عملی تربیت کا ذریعہ ہے۔

الحمد للہ نظامت تربیت تحریک منہاج القرآن کے سابقہ کورسز کے طرز پر یہ کورس بھی یونٹ لیول تک عام کیا جا رہا ہے۔ اگر آپ اپنے علاقے یا ادارے میں ان کورسز کے انعقاد کے خواہشمند ہیں تو مرکزی نظامتِ تربیت تحریک منہاج القرآن سے رابطہ فرمائیں۔

اگر آپ اپنا اور آئندہ آنے والی نسلوں کا ایمان بچانا چاہتے ہیں، معاشرے کو فتنہ خوارج کے اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، افرادِ معاشرہ کو تنگ نظری، انتہا پسندی اور دہشت گردی سے بچا کر اِعتدال کی راہ پر گامزن کرنا چاہتے ہیں تو عقائد کے متعلق آیات و اَحادیث کو زبانی یاد کریں، اپنے بچوں کو بھی یاد کروائیں اور اسے تعلیمی اداروں کے نصاب کا لازمی حصہ بنائیں۔

طالبِ دعا

غلام مرتضیٰ علوی

(مرکزی ناظم تربیت)

عقیدے کی ضرورت و اہمیت

انسانی تہذیب و ثقافت اس کے اجتماعی اعمال سے جنم لیتی ہے، انسانی اعمال اس کے فکر و فلسفہ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جبکہ انسانی سوچ اور فکر عقیدے اور نظریے سے پروان چڑھتی ہے۔ گویا انسانی سوچ و فکر، اعمال اور تہذیب وثقافت کی بنیاد عقیدہ ہوتا ہے۔

اسلام الہامی دین ہے، جس کے خد و خال اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں اور حضور نبی اکرم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں تفصیل سے واضح فرما دیئے ہیں۔ اسلام کی بنیاد چند بنیادی عقائد (ایمان باللہ، ایمان بالرسل، آسمانی کتب، ملائکہ، آخرت اور تقدیر پر ایمان لانے) پر ہے۔ ہم مردوں کو جلاتے نہیں بلکہ انہیں باعزت طریقے سے دفن کرتے ہیں کیونکہ حیاتِ برزخی اور آخرت پر ہمارا پختہ یقین ہے۔ پوری امت دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ہم ایک اَن دیکھے خدا کو اپنا خالق و مالک اور معبود تسلیم کرتے ہیں۔ سال میں ایک مخصوص دن میں کروڑوں افراد سنتِ ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے اربوں روپے کے لاکھوں جانور ذبح کر کے تقسیم کر دیتے ہیں اس لیے کہ وہ اس عمل کو اللہ کی رضا کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ الغرض کوئی میدان جنگ میں اپنی جان قربان کر رہا ہو یا دوسرے کی جان بچا رہا ہو ہر عمل کے پس منظر میں نظریہ اور عقیدہ ہی کارفرما ہوتا ہے۔

عقیدہ کی تعریف

وہ قلبی تصدیق جو کسی تصور میں یقین کی کیفیت پیدا کرے عقیدہ کہلاتی ہے۔ لفظِ عقیدہ ''عقد'' سے ہے جس کے معنی گرہ اور گانٹھ کے ہیں یعنی عقیدہ نہ بدلتا ہے اور نہ ہی کھلتا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ ''ہمارا دین'' ہے۔

عقیدہ اور نظریہ میں فرق

دینِ اسلام ہمارا عقیدہ ہے نظریہ نہیں۔ نظریہ بدلتا رہتا ہے جب کہ عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ نظریات ہمیشہ تجربات کے نتیجہ میں وجود میں آتے ہیں جبکہ دین تجربات کے نتیجہ میں نہیں وحی الٰہی کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کے توسل سے امت کو ملتا ہے۔ انسانی علم مشاہدہ، مفروضہ، تجزیہ اور تجربہ کے مراحل سے گزرنے کے بعد نظریہ یا قانون کی شکل اختیار کرتا ہے۔ سائنس کا کوئی بھی قانون ایسا نہیں جس میں تبدیلی ممکن نہ ہو۔ نظریات چونکہ تجربات کا نتیجہ ہوتے ہیں لہذا ان میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے۔ علاوہ ازیں اِن نظریات سے عقل اور دلائل کے ذریعے اختلاف بھی ممکن ہے اور ان نظریات کو رد بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس دین experimental process کا outcome (تجربات کا نتیجہ) نہیں ہوتا لہٰذا عقل اس کی نفی کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ اگر کسی کی عقل، سائنس، فلسفہ اور دانش اس عقیدہ اور دین کو قبول نہ کرے تو اُسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسے رد کر دے۔

دورِ حاضر میں عقیدے کی اہمیت

عقیدے سے متعلق واضحیت اور اس پر مضبوطی اگرچہ ہر دور میں اشد ضروری ہے لیکن دورِ حاضر میں عقیدے میں پختگی سابقہ اَدوار سے زیادہ ضروری ہے۔ آج اُمت مسلمہ کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ ایک ملک کے ایک ہی شہر کے لوگ بیسیوں جماعتوں، گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ کوئی بلند آواز سے آمین کہنے والوں کو مسجد سے نکال دیتا ہے تو کوئی نعرہ رسالت پہ کفر و شرک کے فتوے لگا دیتا ہے۔ اور کوئی صحابہ و اہلبیت کے نام پر اُمت کو تقسیم کر رہا ہے۔ دورِ حاضر میں عقیدۂ رسالت پر اِختلاف کا دائرہ کار اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ بعض مسالک اور طبقات دوسروں کو حضور اکرم ﷺ سے تعلق کی بنا پر نہ صرف کافر و مشرک قرار دیتے ہیں بلکہ واجب القتل بھی سمجھتے ہیں۔ ضرورت

اس امر کی ہے کہ عوام الناس کو قرآن و سنت کی روشنی میں عظمت رسالت کے جملہ پہلوؤں میں ایسی فکری واضحیت دی جائے کہ امت کے باہمی اختلافات دور ہوں اور دل محبت رسول ﷺ میں ایک دوسرے کے قریب آئیں۔

مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ

گزشتہ صدی سے برصغیر میں خارجی فکر کے فروغ کے باعث معاشرے میں مذہبی دہشت گردی اس قدر تیزی سے عام ہو رہی ہے کہ اس وقت ملک کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی اندرونی دہشت گردی ہے۔ اس دہشت گردی کا سب سے بڑا سبب مذہبی تنگ نظری اور انتہا پسندی ہے۔ اپنے عقیدے کو درست سمجھنا اور مختلف عقیدہ رکھنے والے کو کافر و مشرک اور واجب القتل قرار دینا ایسی سوچ ہے جس نے پوری اُمت کو اقوام عالم میں ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ لہٰذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں عقائد میں اَفراط و تفریط کی بجائے ایسا اعتدال پیدا کیا جائے جس سے تحمل، برداشت اور رواداری کا کلچر فروغ پا سکے اور رفتہ رفتہ ملک سے مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ ہو سکے۔

ذاتِ مصطفیٰ ﷺ مرکزِ کائنات

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس مرکز و محور کائنات ہے۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس سے متعلق عقائد میں اِبہام اور اختلاف پیدا کر کے اُمت کا اپنے نبی سے عشق و محبت کا تعلق کمزور کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نسبت رسالت کے تمام پہلوؤں کو قرآن وحدیث کے مضبوط دلائل سے اس قدر واضح کیا جائے کہ اُمت حضور ﷺ سے محبت کو اپنا ایمان قرار دے، آپ کے وسیلے کو ذریعہ نجات سمجھے، آپ ﷺ کی ذات اقدس سے توسل کو دعا کی قبولیت کا ذریعہ بنائے، آپ ﷺ کی ذات اقدس، شریعت اور نظام کو زندہ سمجھے، بعد از وفات قبر میں آپ ﷺ کی زیارت اور پہچان کی تیاری کرے اور حشر میں آپ ﷺ کی شفاعت کی تمنا رکھے۔

اعتدال و توازن ...... اہلِ حق کا امتیاز ہے

اُمتِ مسلمہ میں باہمی مذہبی اور اعتقادی اختلاف، عقائد میں بے اعتدالی کے باعث پیدا ہوا۔ ایک طرف بندگانِ خدا اور مقبولانِ بارگاہ الٰہی کی محبت و عقیدت میں جہالت کے باعث غلو اس حد تک بڑھا کہ بات افراط تک جا پہنچی اور دوسری طرف ردِ عمل کے طور پر تخفیف و تنقیص (نقص نکالنے) کے باعث معاملہ تفریط تک پہنچ گیا۔ افراط نے جہاں خرافات و بدعات کا دروازہ کھولا وہاں تفریط (مرتبہ و شان کم کرنے کی روش) گستاخی و اہانت کا رنگ اختیار کر گئی۔ لہٰذا محبتوں اور عقیدتوں کی حدود اور مراتب و مدارج کے تعین میں اعتدال و توازن قائم کرنا لازمی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا. (البقرہ، ۲:۱۴۳)

''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا۔''

اُمتِ مسلمہ کو اُمتِ وسط کے خطاب سے اس لئے نوازا گیا کہ وہ اِفراط و تفریط سے دامن بچا کر راہ اعتدال اختیار کرتی ہے۔ وہ نہ تو یہود و نصاریٰ کی طرح افراط کا شکار ہو کر انبیاء کو خدا کا بیٹا مانتی ہے، نہ دیگر کفار و مشرکین کی طرح ہاتھوں سے تراشیدہ بتوں کو پوجتی ہے۔

یہ اُمت، بنی اسرائیل کی طرح تفریط کا شکار بھی نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ اس کا دامن خدا کے برگزیدہ بندوں کے قتل اور ان سے توہین آمیز سلوک بھی پاک ہے۔ عقیدہ اور عمل میں اعتدال کی یہی وہ روش ہے جس کی بنا پر امت مسلمہ کو ''امت وسط'' کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔

تین اِعتقادی گروہوں کی موجودگی

عدمِ توازن اور بے اِعتدالی سے جہاں بہت سے شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں وہاں طبقاتی تقسیم اور اعتقادی تفریق بھی ایک فطری امر بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ تین گروہ موجود رہے ہیں:

پہلا گروہ...... مُفرِطین (حد سے بڑھنے والا طبقہ)

یہ وہ گروہ ہے جس نے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی عقیدت و احترام میں غلو اور افراط کی روش اپنا لی اور حد سے بڑھ گئے۔ اس گروہ کے افراد کا یہ طریقہ کار رہا کہ فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھے بغیر اپنی خواہش سے خود ہی درجات مقرر کر لئے اور جہالت کی بنا پر کسی کو مقام اُلوہیت پر فائز کر دیا اور بعض اولیاء اللہ کو مقامِ نبوت تک لے گئے اور انہیں معصوم عن الخطاء (غلطی سے پاک) کے زمرے میں شریک کر دیا۔

مثلاً پچھلی اُمتوں میں سے یہود و نصاریٰ کا یہی طرزِ عمل تھا۔ جیسے اہلِ کتاب نے اپنے احبار و رُہبان (عالموں اور زاہدوں) کو وہ حقوق دیئے جو صرف اللہ و رسول کے لئے خاص تھے۔ اِن کی یہ گمراہی قرآن مجید میں اِس طرح ظاہر کی گئی ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا. (التوبة، ۹: ۳۱)

''انہوں نے اللہ کے سوا اپنے عالموں اور زاہدوں کو رب بنا لیا تھا اور مریم کے بیٹے مسیح (علیہ السلام) کو (بھی) حالانکہ انہیں بجز اس کے (کوئی) حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے ایک (ہی) معبود کی عبادت کریں''

تحلیل و تحریم (کسی شے کو حلال یا حرام کرنا) اللہ کا حق ہے۔ انبیاء علیہم السلام و رُسلِ عظام جس شے کو بھی حلال یا حرام قرار دیں وہ (اللہ تعالیٰ کے نمائندے ہونے کے ناتے) اسی کی منشاء کے مطابق ہوتا ہے۔ کسی غیر نبی کو یہ حق دینے کے معنی یہی ہوئے کہ اُسے اللہ و رسول کے حق میں شریک کر لیا گیا۔ نصاریٰ اس غلو کی علامت بن کر راہِ حق سے بھٹک گئے تھے۔ تمام اہلِ حق کا اس بات پر اِجماع ہے کہ شرفِ عصمت صرف انبیائے کرام علیہم السلام کو حاصل ہے۔ انبیائے کرام کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے، لہٰذا فقہاء و محدثین کے اَقوال اور اولیاء و صلحاء کے اِرشادات اور اَفعال کو خطا سے پاک تصور کرنا قطعاً درست نہیں۔ ان کی ہر بات کو قران و سنت کی طرح قطعی ماننا اور اُن کے اقوال کے ہوتے ہوئے قرآن و

سنت سے مسائل کا حل تلاش کرنے کو ممنوع قرار دینا ایسا طرزِ عمل ہے جس کا تعلق یہود و نصاریٰ کے عالموں کے ساتھ جا ملتا ہے۔

جس طرح کسی انسان کو معبود سمجھ کر اس کی عبادت کرنا اُسے رب بنانے کے مترادف ہے اسی طرح کسی انسان کے قول و عمل کو قرآن و سنت کے مقابلے میں قابلِ حجت سمجھ کر اس پر حلال و حرام کے اَحکام لاگو کرنا بھی اسے رب بنانے کے مترادف ہے۔

دُوسرا گروہ ...... مقصّرین (شان و عظمت کو کم کرنے والے)

یہ وہ گروہ ہے جو عدمِ توازن اور اِنتہا پسندی کے دوسرے کنارے پر رہتا ہے۔ یہ طبقہ نہ تو اللہ و رسول ﷺ کی محبت و عظمت کا حق بجا لاتا ہے اور نہ بندگانِ خدا کے اِحترام وعقیدت کا پاس و لحاظ کرتا ہے۔ تقصیر وتفریط (شان اور مقام میں کمی کرنا) اِس طبقہ کا شعار ہے۔ یہودی اِس تقصیر میں سب سے آگے بڑھ گئے تھے۔ یہ وہ طبقہ تھا جنہوں نے اللہ کی شان میں (یَدُاللهِ مَغْلُوْلَةٌ) جیسے گستاخانہ جملے کہے اور انبیاء کی شان میں گستاخیاں کیں۔

اُمتِ مسلمہ کے ایک طبقے میں اِفراط اور غلو (مقام و مرتبے کو بڑھانے) کی بیماری میں پائی جاتی ہے تو چند دوسرے طبقات تفریط و تنقیص (شان میں کمی کرنا اور نقص ڈھونڈنے) کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ موجودہ دور میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کی معجزانہ شان و کمالات اور عظیم خصائص و فضائل کا اِنکار کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے جیسا قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کی عظمت، قدر و منزلت اور محبت و مودّت کے آداب اور مظاہر کو شخصیت پرستی سے تعبیر کرتے ہوئے توسل و شفاعت کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔ یہ گروہ اِسلام کے روحانی آثار و روایات اور سلف صالحین کے اَطوار و تعلیمات کو خرافات قرار دیتا ہے۔

چھوٹی چھوٹی بات پر شرک و بدعت کے فتووں کی بوچھاڑ اور مخالف کو اسلام سے خارج قرار دینا ان فرقوں کا وطیرہ بن چکا ہے۔ اسلام کی تعلیماتِ امن و محبت کے برعکس انہوں نے جہاد کے لبادے میں دنیا بھر میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر رکھا ہے (اِلّا

مَا شَاءَ اللہ)۔ چنانچہ فی زمانہ ان کی اسی روش کی وجہ سے دشمنانِ اسلام پوری اسلامی دنیا کو ’’دہشت گرد‘‘ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ موجودہ دور میں اسلام کو تنگ نظری، انتہا پسندی اور تشدد نے جتنا نقصان پہنچایا ہے ماضی میں کوئی بڑی سے بڑی جنگی شکست بھی نہیں پہنچا سکی۔ اسلام جو کہ دینِ دعوت ہے۔ اور دنیا کے ہر فرد تک اس کی دعوت پہنچانا اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داری ہے لیکن موجودہ صورت حال کے نتیجے میں اس کے مغربی دنیا میں فروغ کے اِمکانات محدود اور مسدود ہو گئے ہیں۔

تیسرا گروہ ...... معتدلین (اعتدال رکھنے والے)

معتدلین کا طبقہ وہ ہے جو توازن اور اعتدال کی راہ پر گامزن ہو کر افراط و تفریط کے درمیان توسط کی روش اختیار کئے ہوئے ہے۔ یہ طبقہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو لاشریک مانتا ہے، معرفتِ خداوندی اور رضائے الٰہی کے حصول کو زندگی کا مقصود سمجھتا ہے۔ اس طبقہ کے لوگ قرآن و سنت اور شریعت نے جو حدود مقرر کی ہیں ان کو نہ توڑتے ہیں اور نہ پھلانگنے کی جسارت کرتے ہیں۔ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے انسان اور بشر ہونے کا اقرار تو کرتے ہیں مگر ان کی شانِ امتیاز و فضیلت پر اِصرار کرتے ہیں۔ یہ طبقہ صحابہ کرام، ائمہ اہل بیتِ اَطہار، فقہاء و محدثین اور اہلِ ولایت و طریقت کو وہی حیثیت دیتا ہے جو حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ طبقہ ائمہ و فقہاء کو انبیاء و رُسل علیہم السلام کی طرح معصوم سمجھتا ہے اور نہ اُن کی شان میں تنقیص و تخفیف کی جسارت و گستاخی کرتا ہے۔

تحریکِ منہاج القرآن شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی رہنمائی میں اکابرینِ اُمت کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اِسی طریق اور منہج کی تجدید کے لئے ہمہ تن مصروف ہے۔ یہی مسلکِ صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور قرونِ اولیٰ کے ائمہ اور اولیاء و صالحین کا ہے۔ یہی حقیقت میں سوادِ اعظم کی راہ ہے اور اسی کو اکابر نے مسلکِ اہل السنۃ والجماعۃ سے تعبیر کیا ہے۔ ہمارا شیوہ ہے کہ ہم سوءِ ظن سے ہر ممکن اجتناب اور فتویٰ بازی سے حتی الوسع گریز کرتے ہیں۔ مگر محبتِ رسول ﷺ سے محروم کو بدبخت اور اہانتِ رسول ﷺ کے مرتکب کو قطعی کافر سمجھتے ہیں۔ یہی ہمارے ایمان بالرسالۃ کا تقاضا ہے۔

اِسلام کے بنیادی عقائد

ایمان باللہ

تعریف

اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے، وہ اپنی ذات و صفات میں بے مثل اور لاشریک ہے، وہی معبودِ حقیقی ہے۔ وہ سب جہانوں کا پالنے والا اور حاجت روا ہے۔ اس کی ذات و صفات ہر عیب اور نقص سے پاک ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کو ایمان باللہ کہتے ہیں۔

حکمِ شرعی

اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں بے مثل اور لاشریک ہے، لہٰذا اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا کفر ہے۔

ایمان باللہ قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ سورۂ اخلاص میں عقیدہ توحید کو مکمل لیکن اجمالی طور پر بیان فرما دیا گیا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○

(الاخلاص، ۱۱۲: ۱ تا ۴)

’’(اے نبی مکرّم!) آپ فرما دیجیے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے۔ اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔‘‘

۲۔ آیت الکرسی اور دیگر مقامات پر ایمان باللہ اور توحید کے تمام پہلوؤں کی مکمل

وضاحت کی گئی ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ج لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ط لَـهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج وَلَا یَؤُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ج وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ.

(البقرة، ۲: ۲۵۵)

’’اللہ (وہ ذات ہے)، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے (سارے عالم کو اپنی تدبیر سے) قائم رکھنے والا ہے، نہ اس کو اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے، کون ایسا شخص ہے جو اس کے حضور اس کے اِذن کے بغیر سفارش کر سکے، جو کچھ مخلوقات کے سامنے (ہو رہا ہے یا ہو چکا) ہے اور جو کچھ ان کے بعد (ہونے والا) ہے (وہ) سب جانتا ہے، اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔ اس کی کرسیٔ (سلطنت و قدرت) تمام آسمانوں اور زمین کو محیط ہے، اور اس پر ان دونوں (یعنی زمین و آسمان) کی حفاظت ہرگز دشوار نہیں، وہی سب سے بلند رتبہ بڑی عظمت والا ہے۔‘‘

۳۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے اقرار اور اس پر استقامت کی جزا کا ذکر کرتے ہوئے قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ.

(حم السجدہ، ۴۱: ۳۰)

’’بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ (اِس پر مضبوطی سے) قائم ہوگئے، تو اُن پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور تم جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔‘‘

۴۔ اللہ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے۔ جو کہ گناہ عظیم ہے ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ.

(القمان، ۳۱:۱۳)

’’بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے‘‘۔

ایمان باللہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ، قُلْ: لِي فِي الإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ (وفي حديث أبي أسامة: غَيْرَكَ). قَالَ: قُلْ: آمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ.

(مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، ۱/ ۶۵، رقم الحدیث: ۳۸)

’’یا رسول اللہ ﷺ! اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی بات بتا دیں کہ پھر میں آپ کے بعد (اور ابو اسامہ سے مروی روایت میں ہے کہ عرض کیا: آپ کے سوا) کسی اور سے دریافت نہ کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو! میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، پھر اس پر پختگی سے قائم رہو۔‘‘

۲۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے تکمیلِ ایمان کی علامات ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ ِللهِ، وَأَبْغَضَ ِللهِ، وَأَعْطَى ِللهِ، وَمَنَعَ ِللهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ

الإِيْمَانَ.

(أبوداود، السنن، کتاب السنة، ۴/۲۲۰، رقم الحديث:۴۶۸۱)

''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کی، اللہ تعالیٰ کے لئے عداوت رکھی، اللہ تعالیٰ کے لئے دیا اور اللہ تعالیٰ کے لئے دینے سے ہاتھ روک لیا پس اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا ہے۔''

آیات واَحادیث کا خلاصہ

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق تقاضائے ایمان ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا کفر ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود اور حقیقی حاجت روا نہیں ہے۔

۴۔ شفاعت اور علم غیب اللہ تعالیٰ کے اذن اور عطا کے بغیر کسی کو میسّر نہیں آتے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے اقرار اور اس پر استقامت سے ملائکہ کی معیت ملتی ہے اور حزن وخوف سے نجات کے ساتھ ساتھ جنت کی بشارت نصیب ہوتی ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور اس کی رضا کے لیے نفرت تکمیلِ ایمان کی علامت ہے۔

ایمان بالرسل

تعریف

ایمان بالرسل سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء، سرورِ کائنات سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس تک تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی نبوت اور رسالت کو برحق ماننا ہے۔ کیونکہ ہر نبی اور رسول اپنی اپنی جگہ حق و صداقت کا کامل و اکمل نمونہ رہا ہے۔ اللہ رب العزت نے سوا لاکھ (یا کم وبیش) انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے جن میں سے تین سو تیرہ (۳۱۳) رسول تھے، جنہیں اللہ ربّ العزت نے شریعت عطا فرمائی۔ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کائنات میں سے افضل و اعلیٰ ہیں اور ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں۔

حکمِ شرعی

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس تک تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام پر ایمان لانا لازم ہے۔ کسی ایک بھی نبی یا رسول کا اِنکار کفر ہے۔

ایمان بالرسل قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر اُمت کی رہنمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ.

(البقرۃ،٦: ٤٢)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے بہت سی اُمتوں کی طرف رسول بھیجے۔

۲۔ تمام انبیاء علیہم السلام پر اور ان پر نازل ہونے والی کتب پر ایمان لانا لازم ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ.

(البقرة، ۲: ۲۸۵)

’’(وہ) رسول اس پر ایمان لائے (یعنی اس کی تصدیق کی) جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور اہلِ ایمان نے بھی، سب ہی (دل سے) اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے (نیز کہتے ہیں:) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان بھی (ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے‘‘۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء وُرسل علیہم السلام کو جدا جدا فضیلتیں اور مقامات عطاء فرمائے

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ.

(البقرة، ۲: ۲۵۳)

’’یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے کسی سے اللہ نے (براہِ راست) کلام فرمایا اور کسی کو درجات میں (سب پر) فوقیت دی (یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کو جملہ درجات میں سب پر بلندی عطا فرمائی)۔‘‘

۴۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ.

(النساء، ۴: ۱۳۶)

’’اے ایمان والو! تم اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ۔‘‘

ایمان بالرسل احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور نبی اکرم ﷺ

کی خدمت میں حاضر تھے۔ اچانک ایک شخص ہماری محفل میں آیا، اس کے کپڑے نہایت سفید، بال گہرے سیاہ تھے، اس پر سفر کے کچھ بھی اثرات نمایاں نہ تھے اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہیں تھا۔ وہ شخص حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے گھٹنے سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا اور اس نے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھ لیے اور عرض کیا:

أَخْبِرْنِي عَنِ الإِيْمَانِ. قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهٖ، وَكُتُبِهٖ، وَرُسُلِهٖ، وَالْيَوْمِ الآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ...الخ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، ۱/ ۲۷، رقم الحدیث: ۵۰)

''مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھے''۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عدی بن حاتمؓ سے فرمایا:

أَسْلِمْ تَسْلَمْ، قُلْتُ: وَمَا الْإِسْلَامُ؟ فَقَالَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، وَاِنِّىْ رَسُوْلُ اللهِ، وَ تُؤْمِنُ بِالْاَقْدَارِ كُلِّهَا، خَيْرِهَا وَشَرِّهَا حُلْوِهَا وَمُرِّهَا.

(ابن ماجه، السنن، اَلْمُقَدِّمَةُ:باب فی القدر، ۱/ ۳۴، رقم الحدیث:۸۶)

''اے عدی اسلام قبول کر لو، محفوظ رہو گے۔ میں نے عرض کیا: اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور کلیتًا تقدیر پر ایمان لاؤ۔ چاہے اچھی ہو یا بری، شیریں ہو یا تلخ۔''

آیات واحادیث کا خلاصہ

۱۔ اللہ رب العزت نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔

۲۔ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام پر بلا تفریق ایمان لانا لازم ہے۔

۳۔ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام ساری مخلوقات میں افضل و اعلیٰ ہیں۔

عقیدۂ ختمِ نبوت

ایمان بالرسل کے باب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے آخری نبی اور رسول ہونے پر بھی ایمان لانا اسلام کے بنیادی عقائدمیں سے ہے۔ اللہ رب العزت نے انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لیے سلسلہ انبیاء کا آغاز سیدنا آدم علیہ السلام سے فرمایا اور اس سلسلہ نبوت کا اِختتام خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر فرمایا۔ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت قیامت تک ہے۔ آپ ﷺ کے بعد نبوت کا کسی بھی قسم کا دعویٰ کرنے والا شخص جھوٹا، بدبخت، جہنمی اور کافر ہے۔

حکمِ شرعی

دعویٔ نبوت کرنے والا شخص اگر مسلمان تھا تو مرتد اور کافر ہو گیا اور وہ شخص واجب القتل ہے، لیکن اُسے یہ سزا عدالت کے ذریعے دی جائے گی۔

عقیدۂ ختمِ نبوت قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا اعلان کرتے ہوئے ارشادفرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط

(الاحزاب، ۴۰:۳۳)

’’محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔‘‘

۲۔ اللہ رب العزت نے تمام انبیاء علیہم السلام کی اَرواح سے حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان

www.MinhajBooks.com

لانے اور ان کی مدد و نصرت کرنے کا وعدہ لیا اگر حضور ﷺ کے بعد کسی اور نبی نے آنا ہوتا تو اس کا تذکرہ بھی ضرور ہوتا۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

(آل عمران، ۳:۸۱)

''اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ عہد کرلیا کہ (اے گروہِ انبیاء) جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کردوں اور پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو اُن کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی۔ تو ضرور بالضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور تم اس کی مدد کرو گے۔''

۳۔ سابقہ آسمانی کتب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد کا تذکرہ موجود ہے لیکن قرآن مجید میں حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی وحی یا کتاب کے نزول کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

(البقرة،۲:۴)

''اور یہ متقین وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو کچھ (اے رسول ﷺ) آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا (یعنی کلام اللہ اور وحی الٰہی) اور (اس پر بھی) جو کچھ آپ سے پہلے نازل ہوا۔''

یعنی اگر حضور ﷺ کے بعد کچھ نازل ہونا ہوتا تو یقیناً اس کا بھی ذکر کر دیا جاتا۔

۴۔ دین کی تکمیل کے بعد اب کسی نئے نبی، کتاب اور دین کی ضرورت نہیں۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

(المائدہ، ۵: ۳)

’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت (نبوت و رسالت محمدی ﷺ کی صورت میں) تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین (دائمی نظامِ حیات) منتخب کرلیا۔‘‘

عقیدۂ ختم نبوت احادیث مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ.

(ترمذی، السنن، کتاب الرؤیا، ۴/ ۵۳۳، رقم الحدیث: ۲۲۷۲)

’’سلسلہ نبوت و رسالت منقطع کر دیا گیا ہے اور میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔‘‘

۲۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِیْ أُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهٗ نَبِیٌّ وَّأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ.

(ترمذی، السنن، کتاب الفتن، ۴/ ۴۹۹، رقم الحدیث: ۲۲۱۹)

’’میری اُمت میں تیس جھوٹے شخص پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے (مگر سن لو!) میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔‘‘

۳۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا:

أَنَا اٰخِرُ الْأَنْبِيَآءِ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ.

(ابن ماجه، السنن، کتاب الفتن، ۲ /۱۳۵۹، الرقم الحدیث : ۴۰۷۷)

انبیاء میں میں آخری نبی ہوں اور امتوں میں تم آخری امت ہو۔

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ اور قیامت کے درمیان اب کسی نبی اور رسول کی بعثت ممکن نہیں۔ جیسا کہ ’’حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

بُعِثْتُ أَنَا وَ السَّاعَةُ کَهَاتَيْنِ.

(بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، ۴ /۱۸۸۱، رقم الحدیث: ۴۶۵۲)

میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح بھیجے گئے ہیں۔‘‘ (یہ ارشاد آپ ﷺ نے اپنی شہادت اور درمیان والی دو انگلیوں کو ملا کر فرمایا)

آیات و احادیث کا خلاصہ

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کی رسالت قیامت تک ہے۔

۲۔ قرآن مجید آخری الہامی کتاب ہے۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد (کسی قسم اور کسی سطح کا) دعوی نبوت کرنے والا جھوٹا، بدبخت، لعنتی، جہنمی اور کافر ہے۔

۴۔ دین رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہو چکا ہے اب کسی نئی کتاب اور شریعت کی حاجت نہیں۔

۵۔ قیامت تک جتنے بھی دعویٰ نبوت کرنے والے آئیں گے وہ سب جھوٹے ہوں گے۔

مزید تفصیل کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ’’عقیدۂ ختم نبوت‘‘ کا مطالعہ کریں۔

آمدِ سیدنا اِمام محمد مہدی علیہ السلام

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت میں آنے والے ۳۰ جھوٹے نبیوں کا تذکرہ فرمایا تھا۔ختمِ نبوت کے باب میں ہونے والی سازشوں میں ایک بڑی سازش آمد سیدنا امام محمد مہدی علیہ السلام کے عقیدے کا غلط اِستعمال ہے۔بعض جھوٹے مدعیان نبوت نے پہلے مہدی ہونے کا ہی دعویٰ کیا اور پھر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ ہم یہاں عقیدۂ امام محمد مہدی علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ اس لیے کر رہے ہیں تا کہ کوئی بدبخت اس عقیدہ کا غلط استعمال کر کے عقیدۂ ختمِ نبوت کے باب میں لوگوں کو گمراہ نہ کر سکے۔

امام مہدی علیہ السلام کی آمد کے حوالے سے صحیح عقیدہ

حضور نبی اکرم ﷺ سے مروِی کثیر اَحادیث اور رِوایات کے مطابق سیدنا اِمام مہدی علیہ السلام کی پیدائش مدینہ طیبہ میں اُس وقت موجود ''قرعہ'' نامی قصبہ میں ہوگی اور آپ 30 سے 40 سال کا عرصہ مدینہ طیبہ میں ہی گزاریں گے۔ بعد اَزاں ایک حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں حجرِ اَسود اور مقامِ اِبراہیمؑ کے درمیان آپ کے ہاتھ پر 313 اَکابرینِ اُمت بیعت کریں گے اور سات علماء اُمت پہلے بیعت کریں گے۔حضرت اِمام مہدیؑ اِس اُمت کے مجددِ اَعظم اور آخری مجدد ہوں گے۔

حکمِ شرعی

اِمام محمد مہدی علیہ السلام کے حوالے سے حضور اکرم ﷺ کے اِرشادات کثرت سے کتبِ حدیث میں منقول ہیں، لہٰذا اِمام مہدی علیہ السلام کی آمد کا اِنکار کرنا حقیقت میں فرامینِ مصطفیٰ ﷺ کے اِنکار کے مترادِف ہوگا۔

آمدِ امام محمد مہدی علیہ السلام احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حدیثِ مبارکہ میں تاجدارِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اِسْمِيْ.

(ترمذی، السنن، کتاب الفتن، ۴/ ۵۰۵، رقم الحدیث: ۲۲۳۰)

''دُنیا اُس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک میرے اَہلِ بیت میں سے ایک شخص جو میرا ہم نام ہوگا عرب کا حکمران نہ بن جائے''۔

۲۔ اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

اَلْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ.

(ابوداؤد، السنن، کتاب المهدی، ۴/ ۱۰۷، رقم الحدیث: ۴۲۸۴)

''مہدی میری عترت سے ہیں اور اولادِ فاطمہ (سلام اللہ علیہا) میں سے ہیں''۔

۳۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَهْدِيُّ مِنِّي، أَجْلَى الْجَبْهَةِ، أَقْنَى الْأَنْفِ: يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا، وَيَمْلِكُ سَبْعَ سِنِيْنَ.

(أبوداود، السنن، کتاب المهدي، ۴/۱۰۷، رقم الحديث: ۴۲۸۵)

''مہدی مجھ سے (یعنی میری نسل سے) ہوں گے ان کا چہرہ خوب نورانی، چمک دار اور ناک ستواں و بلند ہوگی۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے، جس طرح پہلے وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ (امام مہدی علیہ السلام کی خلافت سے پہلے دنیا میں ظلم و زیادتی کی حکمرانی ہوگی اور عدل و انصاف کا نام و نشان تک نہ ہوگا) اور وہ سات سال تک حکمرانی کریں گے۔''

اِمام مہدی علیہ السلام کی علامات

احادیث مقدسہ میں آپ کی متعدد نشانیوں کا ذکر آتا ہے۔ جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

اِمام مہدیؑ کا نام محمد ہوگا...... والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہوگا...... والد کی طرف سے حسینی اور والدہ کی طرف سے حسنی ہوں گے...... آپ کے کندھوں کے درمیان نبی اَکرم ﷺ کے اِسمِ مبارک کی مہر ہوگی... ہاتھ میں حضور ﷺ کی تلوار ہوگی.... چہرہ سفید، سرخی مائل...... چمکتے ہوئے ستارے محسوس ہوں گے...... شخصیت وحسن عربی، جسامت عجمی (یعنی عرب وعجم کے خواص کی جامع)...... سر پر عمامہ.... کملی اوڑھے ہوئے ہوں گے۔

امام محمد مہدی علیہ السلام کی متوقع آمد

حضرت اَبوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے قربِ قیامت کی 10 نشانیاں بیان فرمائیں۔ اس کے بعد ان نشانیوں کے وقوع پذیر ہونے کے وقت سے متعلق ارشاد فرمایا۔

اَلْآيَاتُ بَعْدَ الْمِأَتَيْنِ.

(ابن ماجه، السنن، كتاب الفتن، رقم الحديث: ۴۰۵۷)

''یہ نشانیاں کسی دُوسری صدی ہجری میں ہوں گی''۔

اِس حدیث کو اِمام حاکمؒ نے مستدرک، اِمام جلال الدین سیوطیؒ نے 'الحاوِی للفتاوٰی اور اِمام نعیم بن حمادؒ (اِمام بخاریؒ کے شیخ) نے کتابُ الفتن میں مختلف روایات سے بیان کیا کہ یہ 10 نشانیاں کسی (millenium) یعنی ہزار سال کے مکمل ہونے کے بعد دُوسری صدی ہجری کے اَواخر میں ظاہر ہوں گی۔

ایک بات حضور نبی اکرم ﷺ نے طے کر دی ہے کہ جب بھی علاماتِ قیامت ظاہر ہونا شروع ہوں گی وہ کسی ہجری ملینیئم یعنی ہزار سال کی دُوسری صدی ہی ہوگی۔

ہزاری (millenium) بدل سکتا ہے مگر صدی بدل نہیں سکتی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے صدی کا تعین کر دیا ہے۔ پس اِمام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے لئے صدی متعین ہے جبکہ ہزاری (millenium) کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔

موجودہ سال 1434 ہجری دوسری ہزاری (millenium) کی پانچویں صدی ہجری ہے۔ اگر اِس ہزاری میں اِمام مہدی علیہ السلام کو آنا ہوتا تو وہ 200 سال قبل آ چکے ہوتے، یعنی موجودہ ہزاری (millenium) میں اُن کے ظہور کا ممکنہ زمانہ گزر چکا ہے۔ اور اگر وہ 200 سال قبل آ چکے ہوتے تو آج وہ دس علامتیں پوری ہوجانے کے بعد قیامت بھی آ چکی ہوتی۔

اِمام نعیم بن حمادؒ اور اِمام جلال الدین سیوطیؒ نے بیان کیا ہے کہ ''جب اِمام مہدیؒ کا ظہور ہوگا اور اُن کے دستِ اَقدس پر بیعت ہوگی تو اُن کی آمد کا سن 204 ہوگا''۔

(کتاب الفتن، ۱/۳۳۶، الحاوی للفتاوی:۲ /۳۹)

جب اِس سن 204 کو سامنے رکھیں تو قریب سے قریب تر تصور کیا جائے کہ آٹھ سو سال میں حالات و واقعات بدل چکے ہوئے ہوں گے تو اِمام مہدی علیہ السلام کا ظہور 2204 ہجری (یعنی 2783 عیسوی) میں متوقع ہے۔ آج 1434 ہجری ہے، یعنی آج سے تقریباً 770 سال بعد اِمام مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ اگر 2204ھ میں بھی وہ تشریف نہ لائے تو پھر اگلے ہزاری میں سال 3204ھ کا اِمکان ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب ورسولہٗ.

اِمام مہدی علیہ السلام کی آمد کے حوالے سے یہ تخمینہ اور اَندازہ قطعی طور پر ہمارا دَعویٰ نہیں بلکہ مطالعہ حدیث کا ماحصل ہے کہ جو کچھ ہم نے اَحادیثِ نبویہ ﷺ سے سمجھا اُسے اِمام مہدیؑ کی آمد کے حوالے سے پھیلائے جانے والے فتنوں کا قلع قمع کرنے کے لئے بیان کر دیا گیا ہے۔

مزید معلومات کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ''حیات ونزول مسیح علیہ السلام اور ولادت امام مہدی علیہ السلام'' اور خطاب شیخ الاسلام، سی ڈی نمبر: 468 اور 469 ملاحظہ فرمائیں۔

شان و عظمتِ انبیاء علیہم السلام کے بعض نمایاں پہلو

ایمان بالرسل کے باب میں انبیاء کرام علیہم السلام کی شان وعظمت کے اہم پہلوؤں کا تذکرہ جہاں شان وعظمت انبیاء علیہم السلام کی معرفت کے لیے ضروری ہے وہاں اِن نمایاں پہلوؤں سے بہت سے اہم عقائد بھی وابستہ ہیں۔ جیسے ذکرِ میلادِ انبیاء علیہم السلام ایک طرف انبیاء کرام علیہم السلام سے عشق اور حبی تعلق کی مضبوطی کا ذریعہ ہے وہاں یہ عمل شرک اور عقیدۂ تثلیث کے خاتمے کا ذریعہ بھی ہے۔ ایک ذات ہی ''لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ'' (نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ پیدا کیا گیا) کی شان کی حامل ہے اور وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ لہٰذا کسی نبی کا میلاد منانا اس کے عبد (بندہ) ہونے کی دلیل ہے۔ گویا میلاد منانا شرک کے خاتمے کا بھی اعلانیہ ثبوت ہے۔

ذکرِ میلادِ انبیاء علیہم السلام

انبیاء کرام علیہم السلام کی ولادت کی خوشی منانا سابقہ امتوں کا بھی دستور رہا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ وجہ تخلیقِ کائنات ہیں۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کائنات کی سب سے بڑی نعمت ہے اور آپ ﷺ کا وجود ساری کائنات کے لیے رحمت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حضور اس نعمت پر شکر بجالاتے ہوئے ہم پر لازم ہے کہ ہم آقا علیہ السلام کی آمد کی خوشی منائیں۔

انبیاءِ سابقین علیہم السلام اور خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کا تذکرہ کرنا سنتِ الٰہی ہے۔ اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر کئی مرتبہ قرآنِ مجید میں فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، فرعون کے محل میں جانے، دودھ پینے نہ پینے کے جملہ احوال و واقعات کا ذکر فرمایا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، آپ کی والدہ ماجدہ کی تکلیف، ان پر لگنے والے الزامات اور گود سے آپ کا جواب دے کر ان الزامات کا رد کرنا، ان تمام واقعات کا تفصیلی ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرما کر تذکرۂ میلادِ انبیاء علیہم السلام کو اپنی سنت بنا دیا ہے۔

میلادِ انبیاء علیہم السلام کا مفہوم

معاشرے میں اظہارِ مسرت کے رائج طریقوں (جو شرعاً درست ہوں) کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد کی خوشی منانا، میلاد النبی ﷺ کہلاتا ہے۔ جیسے محافل میلاد، چراغاں، جلوس وغیرہ۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی امت میں صدیوں سے میلاد منانے کا معمول رہا ہے۔ آج بھی عرب وعجم میں اس دن عام تعطیل ہوتی ہے اور ہر کوئی آقا علیہ السلام کی آمد کی خوشی مناتا ہے۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کے یوم ولادت پر خوشی کا اظہار کرنا میلاد انبیاء ہے۔

حکمِ شرعی

انبیاء کرام علیہم السلام اور حضور نبی اکرم ﷺ کا میلاد منانا جائز اور مشروع عمل ہے۔ معاشرے میں رائج ذرائع سے خوشی کا اِظہار کرنا، صدقہ وخیرات، جلوس، محافل، چراغاں وغیرہ کرنا یہ سب جائز اور اجر وثواب کا باعث ہیں۔ عید میلاد النبی ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی طرح عیدِ واجب نہیں ہے۔

میلادِ انبیاء علیہم السلام قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر سلام بھیجتے ہوئے فرمایا:

وَسَلٰمٌ عَلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَ وَيَوۡمَ يَمُوۡتُ وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا.

(مریم، ۱۹: ۱۵)

”اور یحییٰ پر سلام ہو اُن کے میلاد کے دن اور انکی وفات کے دن اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے۔“

۲۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام اپنے یوم ولات پر خود سلام بھیجتے ہوئے فرمایا:

وَ السَّلٰمُ عَلَيَّ يَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَيَوۡمَ اَمُوۡتُ وَيَوۡمَ اُبۡعَثُ حَيًّا.

(مریم، ۱۹: ۳۳)

''اور مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن، اور میری وفات کے دن، اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا۔''

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا وجود کائنات کے لیے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی رحمت اور فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحمت کے ملنے پر خوشی منانے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْاط هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ.

(یونس، ۱۰: ۵۸)

''فرما دیجئے: (یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثتِ محمدی ﷺ کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ اس (سارے مال و دولت) سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔''

۴۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف حضور ﷺ کی جائے ولادت بلکہ آپ ﷺ کے والدین اور آپ ﷺ کی ولادت کی قسم اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِo وَ اَنْتَ حِلٌّم بِهٰذَا الْبَلَدِo وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَo

(البلد، ۹۰: ۱، ۲، ۳)

''میں اس شہر (مکہ) کی قَسم کھاتا ہوں۔ (اے حبیبِ مکرّم!) اس لیے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں۔ (اے حبیب مکرم آپ کے) والد (آدم علیہ السلام) یا (ابراہیم علیہ السلام) کی قسم اور (ان کی) قسم جن کی ولادت ہوئی۔''

میلاد النبی ﷺ احادیث مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے یوم میلاد پر اللہ کا شکر بجا لاتے ہوئے خود روزہ رکھتے تھے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ قَالَ ذَالِكَ يَوْمٌ وُّلِدْتُّ فِيْهِ.

(مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، ۲ /۸۱۹، رقم الحدیث:۱۱۶۲)

''رسول اللہ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسی روز میری ولادت ہوئی۔''

۲۔ میلاد کے موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ کے حسب ونسب اور شان وفضیلت کا ذکر کرنا خود حضور ﷺ کی سنت ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ اللهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَيْرِهِمْ فِرْقَةً. ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَيْرِهِمْ فِرْقَةً. ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَيْرِهِمْ قَبِيْلَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوْتاً فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَيْرِهِمْ بَيْتاً وَّخَيْرِهِمْ نَسَباً.

(ترمذی، السنن، کتاب المناقب، ۵ /۵۸۴، رقم الحدیث: ۳۶۰۸)

''خدا نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے بہترین خلق (یعنی انسانوں) میں پیدا کیا، پھر مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا (یعنی عرب و عجم) تو مجھے بہترین طبقہ (یعنی عرب) میں داخل کیا۔ پھر ان کے مختلف قبائل بنائے تو مجھے بہترین قبیلہ (یعنی قریش) میں داخل فرمایا پھر ان کے گھرانے بنائے تو مجھے بہترین گھرانہ (یعنی بنو ہاشم) میں داخل کیا اور مجھے بہترین نسب والا بنایا۔''

۳۔ نبی کی ولادت کے واقعات اور نبی کے خاندان کا تذکرہ کرنا حضور نبی اکرم ﷺ

کی سنت ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا:

اِنِّیْ عَبْدُ اللهِ فِیْ اُمِّ الْكِتَابِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِيْنَتِهٖ وَ سَأُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيْلِ ذٰلِكَ، دَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِيْمَ وَبِشَارَةِ عِيْسٰی قَوْمَهٗ، وَ رُؤْيَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَأَتْ اَنَّهٗ خَرَجَ مِنْهَا نُوْرٌ أَضَاءَتْ لَهٗ قُصُوْرُ الشَّامِ، وَكَذٰلِكَ تَرَی أُمَّهَاتُ النَّبِيِّيْنَ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ.

(احمد بن حنبل، المسند، ۴ /۱۲۸، رقم الحدیث: ۱۶۵۳۷)

’’بے شک میں اللہ کے ہاں اس وقت بھی آخری نبی لکھا جا چکا تھا جب آدم علیہ السلام آب وگل میں تھے۔ میں تمہیں اس کی تاویل بتاتا ہوں، میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری ہوں اور اپنی ماں کا وہ نظارہ ہوں جو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا، کہ ان کے جسم اقدس سے ایسا نور نکلا جس سے میری والدہ کے لئے شام کے محلات چمک اٹھے۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کی ماؤں نے بھی ایسا ہی دیکھا تھا۔‘‘

۴۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانے کا اجر:

بخاری شریف میں ہے کہ

فَلَمَّا مَاتَ أَبُوْلَهَبٍ اُرِيَهٗ بَعْضُ أَهْلِهٖ بِشَرِّ حِيْبَةٍ قَالَ لَهٗ مَاذَا لَقِيْتَ؟ قَالَ أَبُوْلَهَبٍ: لَمْ اَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَنِّيْ سُقِيْتُ فِيْ هٰذِهٖ بِعَتَاقَتِيْ ثُوَيْبَةَ.

(بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، ۵ /۱۹۶۱، رقم الحدیث: ۴۸۱۳)

’’جب ابولہب مر گیا تو اس کے اہل خانہ میں سے کسی کو اسے خواب میں دکھایا گیا، وہ برے حال میں تھا (دیکھنے والے نے) اس سے پوچھا کیسے ہو؟ ابولہب نے کہا میں بہت سخت عذاب میں ہوں اس سے کبھی چھٹکارا نہیں ملتا ہاں مجھے (اس عمل کی جزا کے طور پر) اس انگلی سے قدرے سیراب کر دیا جاتا ہے

جس سے میں نے (محمد ﷺ کی ولادت کی خوشی میں) ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔''

میلاد النبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے طرف سے انعام کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبدالوہاب علامہ ابن جوزی کا قول نقل کرتے ہیں:

فَإِذَا كَانَ هٰذَا اَبُولَهَبِ الْكَافِرُ الَّذِیْ نَزَلَ الْقُرآنُ بِذَمِّهٖ جُوْزِیَ بِفَرْحَةِ لَيْلَةِ مَولِدِ النَّبِیِّ ﷺ بِهٖ فَمَا حَالُ الْمُسْلِمِ الْمُؤَحِّدِ مِنْ اُمَّتِهٖ ﷺ يَسَّرَ بِمَوْلِدِهٖ. (عبد الله، مختصر سيرة الرسول ﷺ: ص: ۱۳)

''پھر جب ابولہب جیسے کافر کا یہ حال ہے، جس کی برائی قرآن کریم میں بیان ہوئی کہ اس کو میلاد النبی ﷺ کی رات خوشی منانے پر یہ جزاء (یعنی عذاب سے تخفیف) دی گئی ہے تو توحید پر ایمان رکھنے والے اُس مسلمان امتی کا کیا مقام ہوگا جو آپ ﷺ کے میلاد پر اظہارِ مسرت کرے''۔

آیات واحادیث کا خلاصہ

۱۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی ولادت کا تذکرہ کرنا سنتِ اِلٰہی ہے۔

۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور آقا ﷺ کی میلاد کی خوشی منانا قرآن حکیم سے ثابت ہے۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشی میں عبادت و بندگی (جیسے روزہ رکھنا) سنتِ رسول ﷺ ہے۔

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت، حسب و نسب اور شان کا تذکرہ کرنا خود سنتِ محمدی ﷺ ہے۔

۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد کی خوشی منانا، مال و دولت اور اعمال جمع کرنے سے بہتر ہے۔

۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس مومنین پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا خوب چرچا کرنا حکمِ خداوندی ہے۔

مزید تفصیل کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ''میلاد النبی ﷺ'' کا مطالعہ کریں

بدعت کا حقیقی تصور

گزشتہ صفحات میں ہم نے میلادِ انبیاء علیہم السلام کا تفصیلی تذکرہ کیا اور واضح کیا کہ یہ عمل فرض اور واجب نہیں بلکہ جائز اور مشروع عمل ہے۔ بدقسمتی سے ایک طبقہ اس عمل کو بدعت اور شرک سمجھتا ہے۔ لہٰذا بدعت کے اس مغالطے کو دور کرنے کے لیے بدعت کے حقیقی تصور کی وضاحت کی جارہی ہے۔

تعریف

ہر نئے کام کو بدعت کہتے ہیں۔ بدعت کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔

۱۔ بدعتِ حسنہ ۲۔ بدعتِ سیئہ

بدعتِ حسنہ

دین میں ہر وہ نیا کام جس کی اصل شریعت میں ہو وہ بدعتِ حسنہ ہے اور وہ قبول ہے۔

بدعتِ سیّئہ

ہر وہ کام جس کی شریعت میں کوئی اصل اور بنیاد نہ ہو بلکہ اس سے شریعت کے کسی اصول اور ضابطے کی خلاف ورزی ہوتی ہو، وہ بدعت سیئہ ہے اور وہ مردود ہے یعنی اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم آقا علیہ السلام نے خود فرمائی ہے اور ۱۴ سو سال سے ساری امت اسی تقسیم کی قائل ہے۔ سینکڑوں اعمال ایسے ہیں جن کی ابتداء ہی صحابہ کرام، ائمہ فقہاء اور امت کے افراد نے کی جسے ہر طبقہ اور مسلک اپنائے ہوئے ہے۔

بدعت کی اقسام

علماء نے بدعت کی حسب ذیل اقسام کی ہیں:

بدعتِ واجبہ

وہ کام جو اپنی ہیئت میں تو بدعت ہو لیکن اس کا وجود واجب کی طرح دین کی ضرورت بن جائے اور اسے ترک کر دینے سے دین میں حرج واقع ہو جیسے قرآنی آیات پر اعراب، اصولِ تفسیر، اصولِ حدیث اور باطل مذاہب کا رد (علامہ آلوسی، علامہ ندوی)

بدعتِ محرمہ

وہ نئے کام یا نئے امور جو اصول دین کے مخالف ہوں۔ مثلاً نئے مذاہب (قدریہ، مرزائی) بدعت محرمہ ہیں جبکہ ان مذاہب باطلہ کی مخالفت و تردید بدعت واجبہ ہے

بدعتِ مکروہہ

جن نئے کاموں سے منسلک سنت مئوکدہ یا غیر مئوکدہ چھوٹ جائے۔ علماء نے اس میں مساجد کی بلا ضروری فخریہ آرائش کو شامل کیا ہے۔

بدعتِ مباحہ

وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو جسے مسلمان صرف جائز سمجھ کر ثواب کی نیت کے بغیر اختیار کریں بدعت مباحہ ہے۔ جیسے نماز کے بعد مصافحہ کرنا وغیرہ (ابن حجر مکی)

بدعتِ مستحبہ

وہ کام جو اصلاً نیا ہو لیکن شریعت میں اس کی کوئی ممانعت نہ آئی ہو اور نہ ہی مسلمان اسے واجب سمجھ کر سرانجام دیں بلکہ کار ثواب اور مستحسن امر سمجھ کر کریں۔ ایسے کام بدعتِ مستحبہ ہیں۔ مثلاً نماز تراویح کی جماعت، محافلِ میلاد، محافلِ عرس، وغیرہ

حکمِ شرعی

بدعت کی اقسام حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔ بدعت حسنہ پر عمل کرنا جائز

اور درست ہے جبکہ بدعت واجبہ پرعمل کرنا لازم ہے۔ لہٰذا ہر بدعت کو گمراہی قرار دینا جہالت اور گمراہی ہے اور قرآن و حدیث کا کھلا اِنکار ہے۔

تصورِ بدعت قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ قرآن مجید میں لفظ بدعت ایجاد (نئی چیز) کے معنی میں ذکر ہوا:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (الانعام، ۶:۱۰۱)

’’وہی آسمانوں اور زمینوں کا موجد (ایجاد کرنے والا) ہے۔‘‘

۲۔ عیسائیوں کے بعض طبقات نے رہبانیت (ترکِ دنیا) کا آغاز کیا مگر وہ رہبانیت کے تقاضے پورے نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کو بدعت قرار دیا مگر اُنہیں اس پرعمل سے نہیں روکا۔ ارشاد فرمایا:

وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا. (الحدید، ۵۷: ۲۷)

’’رہبانیت (یعنی عبادتِ الٰہی کے لیے ترکِ دنیا اور لذّتوں سے کنارہ کشی) کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی، اسے ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا، مگر (انہوں نے رہبانیت کی یہ بدعت) محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے (شروع کی تھی) پھر اس کی عملی نگہداشت کا جو حق تھا وہ اس کی ویسی نگہداشت نہ کر سکے (یعنی نہ اسے اسی جذبہ اور پابندی سے جاری رکھ سکے اور نہ اسکے تقاضے پورے کر سکے)۔‘‘

تصورِ بدعت احادیث مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَه، أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَه، مِنْ غَيْرِأَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ.

(مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، ۲/ ۷۰۵، رقم الحدیث: ۱۰۱۷)

''جو شخص اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کرے اس کو اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا اور ان عاملین کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے عمل کی ابتداء کی اسے اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور ان عاملین کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

۲۔ ہر وہ کام جس کی شریعت میں کوئی اصل اور بنیاد نہ ہو اور اس سے شریعت کے کسی اصول اور ضابطے کی خلاف ورزی ہوتی ہو وہ بدعت سیئہ ہے۔

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيْهِ فَهُوَ رَدٌّ.

(بخاری، الصحیح، کتاب الصلح، ۲/ ۹۵۹، رقم الحدیث: ۲۵۵۰)

''جو ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

۳۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بہت سے حفاظ کرام کی شہادت پر امیر المومنین حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ قرآن مجید کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کر لیا جائے۔ اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

كَيْفَ أَفْعَلُ شَيْئاً لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ؟ فَقَالَ عُمَرُ هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ.

(بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، ۴/ ۱۷۲۰، رقم الحدیث: ۴۴۰۲)

''حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں وہ کام کس طرح کر سکتا ہوں جسے رسول

اللہ ﷺ نے نہیں کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم یہ اچھا ہے''۔

۴۔ ''حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات میں مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق تھے ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک آدمی گروہ کے ساتھ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا:

اِنِّیْ أَرٰی لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَآءِ عَلٰی قَارِیءٍ وَّاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلُ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰی أُبَيِّ بنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَه، لَيْلَةً أُخْرٰی وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ.

(البخاری، الصحیح، کتاب صلاۃ التراویح، ۲/ ۷۰۷، رقم الحدیث: ۱۹۰۶)

''میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کردیا جائے تو اچھا ہوگا۔ پس حضرت ابی بن کعب کے پیچھے سب کو جمع کر دیا گیا۔ پھر میں ایک دوسری رات کو ان کے ساتھ نکلا اورلوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''یہ اچھی بدعت ہے''۔

آیات و احادیث کا خلاصہ

۱۔ بدعت یعنی نئی چیزوں کی ایجاد اللہ رب العزت کی شان ہے۔

۲۔ ہر بدعت گمراہی نہیں ہوتی بلکہ بدعت کی کئی اقسام ہیں۔ جیسے واجبہ، مکروہہ، حسنہ، سیئہ اور بدعتِ مستحبہ۔

۳۔ بدعت حسنہ پر عمل پچھلی اُمتوں میں بھی رائج تھا۔

۴۔ خلفاء راشدین، صحابہء کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ نے بہت سی بدعات حسنہ کا آغاز کیا۔

۵۔ بدعت حسنہ کا آغاز کرنے والا اس پر عمل کرنے والوں کی مثل اجر کا مستحق ہے۔

تفصیل کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ''کتاب البدعۃ'' کا مطالعہ کریں۔

علم غیبِ انبیاء علیہم السلام

اللہ رب العزت نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اُن کے دور کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق علم عطا فرمایا۔ کسی کو علمِ اسماء ملا تو کسی کو علم تعبیر خواب، کسی کو 'تورات' میسر آئی تو کسی نے 'زبور' اور 'انجیل' کا علم سمیٹا۔ کوئی علم لدنی کا مستحق ٹھہرا تو کوئی حکمت کے خزانوں کا، الغرض ہر نبی کو اُس کے دور کی ضروریات اور تقاضوں سے بڑھ کر علم میسر آیا تا کہ وہ اپنی امت کی رہنمائی کر سکے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا زمانہ نبوت سب سے وسیع، آپ ﷺ کی اُمت لامحدود، اور قیامت تک حالات کے تقاضے اور ضروریات سابقہ اُمتوں سے یکسر مختلف ہیں، لہٰذا اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑھ کر علم عطا فرمایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے علم کی کئی جہتیں ہیں۔

☆ آپ ﷺ کو قرآن کی شکل میں ہر خشک و تر شے کا علم عطا کیا گیا ہے۔

☆ قرآن مجید کے علاوہ بھی آپ ﷺ کو ہر وہ علم دیا گیا جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے۔

☆ مشاہدہ حصول علم کا قوی ذریعہ ہے۔ اللہ رب العزت نے شبِ معراج نہ صرف ساری کائنات کا مشاہدہ کروایا بلکہ خود اپنے انوار و تجلیات حتیٰ کہ ذات کا بھی مشاہدہ کروایا۔

علمِ غیبِ انبیاء علیہم السلام کا مفہوم

اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو علم غیب عطا فرمایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو مرحلہ وار علم عطا فرمایا اور آپ کو بالآخر علمِ کلی عطا فرمایا گیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا علم غیب عطائی ہے۔ ''علم غیب'' انبیاء علیہم السلام اور آپ ﷺ کے علوم کا حصہ ہے۔

حکمِ شرعی

انبیاء کرام علیہم السلام اور حضور نبی اکرم ﷺ کو علم غیب عطا ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ جس کا اِنکار قرآن و حدیث کا کھلا اِنکار ہے۔

انبیاء کا علمِ غیب قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

(آل عمران، ۳:۱۷۹)

’’اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس!) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لیے) چن لیتا ہے۔‘‘

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ط

(آل عمران، ۳:۴۹)

اور جو کچھ تم کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں (وہ سب کچھ) بتا دیتا ہوں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ غیب کی خبروں پر بشکل وحی انبیاء کرام علیہم السلام کو خود مطلع فرماتا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ط

(آل عمران، ۳:۴۴)

’’(اے محبوب!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔‘‘

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ امت کو غیب کی خبریں دینے میں بخل نہیں فرماتے۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ. (التکویر، ۲٤:۱۸)

’’اور وہ (یعنی نبی اکرم ﷺ) غیب (کے بتانے) پر بالکل بخیل نہیں ہیں (مالکِ عرش نے ان کے لیے کوئی کمی نہیں چھوڑی)۔‘‘

۵۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اُس کی اُمت کے اَحوال پر گواہ بنایا ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ تمام انبیاء اور اُمتوں پر گواہ ہیں۔ شاہد (گواہ) وہ ہوتا ہے جس نے اَحوال کا مشاہدہ کیا ہو۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا.

(النساء، ۴:۴۱)

’’پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔‘‘

حضور ﷺ کا علمِ غیب احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان (منبر پر) اس طرح جلوہ افروز ہوئے کہ:

فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذَالِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ .

(بخاری، الصحیح، کتاب بدء الخلق، ۳/۱۱۶۶، رقم الحدیث: ۳۰۲۰)

’’آپ ﷺ نے مخلوقات کی ابتدا سے لے کر جنتیوں کے جنت میں داخل ہو جانے اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہوجانے تک ہمیں سب کچھ بتادیا۔ جس نے اسے یاد رکھا، یاد رکھا اور جو اسے بھول گیا سو وہ بھول گیا۔‘‘

۲۔ دورفتن میں دجال سے جہاد کرنے والے گروہ کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

إِنِّيْ لَأَعْرِفُ أَسْمَاءَهُمْ وَأَسْمَاءَ آبَائِهِمْ وَأَلْوَانَ خُيُوْلِهِمْ هُمْ خَيْرُ فَوَارِسَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ.

(مسلم، الصحیح، کتاب الفتن، ۴/ ۲۲۲۳، رقم الحدیث: ۵۲۴۹)

''بے شک میں (دجال کذاب سے جہاد کرنے والوں) اور ان کے آباء کے ناموں کو جانتا ہوں اور ان کے گھوڑوں (سواریوں) کے رنگوں کو پہچانتا ہوں وہ اس وقت روئے زمین پر سب سے بہتر سوار ہوں گے''۔

۳۔ شام میں ہونے والے معرکہ حق و باطل کے حالات و واقعات کو حضور ﷺ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر بیان فرما رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آنے سے پہلے ہی ان کے شہید ہو جانے کے متعلق لوگوں کو بتا دیا تھا۔

أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيْبَ، ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيْبَ، ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيْبَ. وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ حَتّٰى أَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوْفِ اللهِ، حَتّٰى فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِمْ.

(بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، ۱/ ۵۳۱، رقم الحدیث: ۳۵۶۸)

''حضور ﷺ نے فرمایا: اب جھنڈا زید نے سنبھالا ہوا ہے لیکن وہ شہید ہوگئے۔ اب جعفر نے جھنڈا سنبھال لیا ہے اور وہ بھی شہید ہوگئے۔ اب ابن رواحہ نے جھنڈا سنبھالا ہے اور وہ بھی جام شہادت نوش کرگئے۔ یہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ کی چشمانِ مبارک اشک بار تھیں۔ (پھر فرمایا:) یہاں تک کہ اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (خالد بن ولید رضی اللہ عنہ) نے جھنڈا سنبھال لیا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے کافروں پر فتح عطا فرمائی ہے''۔

۴۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ

جبلِ اُحد پر تشریف لے گئے۔ اُس وقت آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان ﷺ بھی تھے۔ ان سب کی موجودگی کی وجہ سے پہاڑ (جوشِ مسرت) سے ہلنے لگا۔ آپ ﷺ نے اس پر اپنا قدم مبارک مارا اور فرمایا:

اُثْبُتْ أُحُدُ، فَمَا عَلَيْكَ اِلَّا نَبِيٌّ أَوْ صِدِّيْقٌ أَوْ شَهِيْدَ انِ.

(بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، ۳/۱۳۴۸،رقم الحدیث:۳۴۸۳)

''اے اُحد ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا اور کوئی نہیں۔''

آپ ﷺ کے فرمان میں سیدنا عمر فاروق اور عثمان غنی ﷺ کی شہادت کی خبر ہے، جو غیب سے متعلق ہے۔

آیات و احادیث کا خلاصہ

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ اور انبیاء کرام علیہم السلام میں سے جسے چاہا علم غیب عطا فرمایا۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ رب العزت نے ماضی، حال اور مستقبل کے تمام علوم عطا فرمائے ہیں۔

۳۔ علمِ غیب حضور ﷺ کے علوم میں سے ایک علم ہے اور آپ ﷺ غیب بتانے میں بخل نہیں فرماتے۔

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ کائنات میں علم تقسیم فرمانے والے ہیں۔

۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ نے ساری کائنات میں ہر دور اور ہر امت پر شاہد بنایا ہے۔

۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ لوگوں کے احوال اور ان کے اُخروی انجام کی بھی خبر رکھتے ہیں۔

مزید مطالعہ کیلئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ''عقیدۂ علم غیب'' کا مطالعہ کریں۔

تصرفاتِ انبیاء علیہم السلام

تصرفات و اختیاراتِ اَنبیاء علیہم السلام کا مفہوم

ہر نبی اور رسول کو چونکہ دنیا میں خدا کی نیابت حاصل تھی اس لیے اللہ رب العزت نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے دور کے تقاضوں اور امت کی ضرورت کے اعتبار سے تصرفات و اختیارات عطا فرمائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ چونکہ آخری نبی اور افضل الانبیاء ہیں اور آپ کی رسالت بھی قیامت تک ہے، اس لیے اللہ رب العزت نے آپ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ اختیارات عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کتاب اللہ کی تشریح کے ساتھ ہر طرح کی قانون سازی اور فیصلوں کے نفاذ کے مکمل اختیار عطا فرمائے۔ علاوہ ازیں کائنات کے تکوینی امور میں بھی آپ ﷺ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ اختیارات عطا فرمائے۔ چنانچہ کثیر تعداد میں معجزات کی صورت میں جس طرح آپ ﷺ کے اختیارات اور تصرفات کا ظہور ہوتا رہا، اس پر انسانی عقل دنگ ہے۔

حکمِ شرعی

انبیاء کرام علیہم السلام اور حضور نبی اکرم ﷺ کے تمام اختیارات قرآن و حدیث سے ثابت ہیں، جن کا منکر قرآن و حدیث کا منکر ہے۔

تصرفاتِ انبیاء علیہم السلام قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو پہاڑوں، پرندوں اور دیگر اشیاء پر تصرفات اور اختیارات عطا فرمائے جن کا ذکر قرآنِ مجید میں یوں کیا گیا۔

وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ ط .

(الانبیاء، ۲۱: ۷۹)

اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں (تک) کو داؤد کے (حکم کے) ساتھ پابند کر دیا تھا۔ وہ (سب ان کے ساتھ مل کر) تسبیح پڑھتے تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا، جنات اور دیگر اشیاء پر تصرفات اور اختیارات عطا فرمائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ج وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ط وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ط

(سبا، ۳۴: ۱۲)

اور سلیمان علیہ السلام کے لیے (ہم نے) ہوا کو (مسخر کر دیا) جس کی صبح کی مسافت ایک مہینہ کی (راہ) تھی اور اس کی شام کی مسافت (بھی) ایک ماہ کی راہ ہوتی، اور ہم نے اُن کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا، اور بعض جنات (ان کے تابع کر دیے) تھے جو اُن کے رب کے حکم سے اُن کے سامنے کام کرتے تھے۔

۳۔ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا م بِاِذْنِ اللهِ ج وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللهِ ج

(ال عمران، ۳: ۴۹)

میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پُتلا) بناتا ہوں پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں سو وہ اللہ کے حکم سے فوراً اڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے اور میں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والوں کو شفایاب کرتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مُردے کو زندہ بھی کر دیتا ہوں۔

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے قانون سازی کے اختیارات کا ذکر کرتے ہوئے قرآنِ

مجید میں یوں فرمایا گیا:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط

(الاعراف، ۷:۱۵۷)

’’اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور اُن سے اُن کے بارِگراں اور طوقِ (قیود) جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔‘‘

۵۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہر طرح کے اختیارات عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج

(الحشر، ۵۹:۷)

’’اور جو کچھ رسول ﷺ تمہیں عطا فرمائیں سو اسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اس سے) رک جایا کرو۔‘‘

اختیاراتِ مصطفیٰ ﷺ احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سن لو! عنقریب ایک آدمی کے پاس میری حدیث پہنچے گی اور وہ اپنی مسہری پر ٹیک لگائے کہے گا:

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللهِ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهِ حَلَالًا اسْتَحْلَلْنَاهُ وَمَا وَجَدْنَا فِيْهِ حَرَاماً حَرَّمْنَاهُ وَ اِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللهِ كَمَا حَرَّمَ اللهُ.

(ترمذی، السنن، کتاب العلم، ۵/ ۳۸، رقم الحدیث: ۲۶۶۴)

’’ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب (ہی کافی) ہے۔ ہم جو چیز اس میں حلال پائیں گے اسے حلال سمجھیں گے اور جو اس میں حرام پائیں گے اسے (ہی) حرام سمجھیں گے جبکہ (جان لو) رسول اللہ ﷺ کا کسی شے کو حرام قرار دینا بھی اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی طرح ہی ہے۔‘‘

۲۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُوْحٰى إِلَيْهِ وَرَأْسُهُ فِي حِجْرِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ فَلَمْ يُصَلِّ الْعَصْرَ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَللّٰهُمَّ إِنَّ عَلِيًّا فِي طَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُوْلِكَ فَارْدُدْ عَلَيْهِ الشَّمْسَ قَالَتْ أَسْمَاءُ رضي الله عنها: فَرَأَيْتُهَا غَرَبَتْ وَ رَأَيْتُهَا طَلَعَتْ بَعْدَ مَا غَرَبَتْ.

(طبرانی، المعجم الكبير، ۱۴۷/۲۴، رقم الحديث: ۳۹۰)

’’حضور نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ ﷺ کا سرِ اقدس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ وہ عصر کی نماز نہ پڑھ سکے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا اس پر سورج واپس لوٹا دے۔ حضرت اسماء رضي الله عنها فرماتی ہیں: میں نے اسے غروب ہوتے ہوئے بھی دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ وہ غروب ہونے کے بعد دوبارہ طلوع ہوا۔‘‘

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے قولِ مبارک سے اعمال فرائض اور واجبات کا درجہ پاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا. فَقَالَ رَجُلٌ: أَكُلَّ عَامٍ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثاً. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَوْقُلْتُ نَعَمْ، لَوَجَبَتْ وَلَمَّا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ

مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ.

(مسلم، الصحیح، کتاب الحج، ۲/ ۹۷۵، رقم الحدیث: ۲۳۵۶)

’’اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے پس حج کیا کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا! اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (تم پر حج ہر سال) فرض ہو جاتا اور پھر تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ پس جب میں تمہیں کسی شے کا حکم دوں تو بقدرِ استطاعت اسے بجا لایا کرو اور جب کسی شے سے منع کروں تو اسے چھوڑ دیا کرو۔‘‘

۴۔ قرآنِ مجید نے تمام مردہ جانوروں اور بہ جانے والے خون کو حرام قرار دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے دو مردار اور دو خون حلال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أُحِلَّتْ لَكُمْ مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَ الطِّحَالُ.

(ابن ماجه، السنن، کتاب الأطعمة، ۲/ ۱۱۰۲، رقم الحدیث: ۳۳۱۴)

’’تمہارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کر دیئے گئے ہیں۔ پس جو دو مردار ہیں وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور رہے دو خون تو وہ کلیجی اور تلی ہیں۔‘‘

آیات و احادیث کا خلاصہ

۱۔ حضور اکرم ﷺ کا حلال یا حرام کردہ اللہ تعالیٰ کے حلال یا حرام کرنے کی مثل ہے۔

۲۔ حضور اکرم ﷺ کو ساری انسانیت کے لیے قوانین وضع کرنے کا اختیار ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کائنات میں تصرفات کے اختیارات دے رکھے ہیں۔

۴۔ عبادات کے طریقہ کار، مقدار و تعداد کے تعین کا اختیار حضور اکرم ﷺ کو حاصل ہے۔

www.MinhajBooks.com

توسّل بالانبیاء علیہم السلام

توسل کا مفہوم

اَلْوَسِيْلَةُ: هِيَ فِي الْأَصْلِ مَا يَتَوَسَّلُ بِهٖ اِلَى الشَّيْءِ وَيَتَقَرَّبُ بِهٖ.

(مرقاۃ المفاتیح، الفصل اول، ۲ /۳۲۸)

”وسیلہ درحقیقت وہ واسطہ ہے جس کے ذریعے کسی شے تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جا سکے۔“

بارگاہِ الٰہی میں قُرب حاصل کرنے، اپنی کسی حاجت اور ضرورت کے وقت مراد کے حصول کے لئے یا پریشانی کو رفع کرنے کے لئے بوقتِ دُعا کسی نبی، مقبول عمل، صالح بزرگ، یا بابرکت مقام و زماں کا واسطہ اور وسیلہ پیش کرنا ”توسل“ کہلاتا ہے۔

حکمِ شرعی

اسلام میں شرعی نقطۂ نظر سے توسل ایک مباح اور جائز عمل ہے۔اس کا جائز ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔توسل اختیار کرنا فرض و واجب تو نہیں مگر قربِ الٰہی کا ایک بہترین ذریعہ اور عملِ مستحسن ہے۔ اگر کوئی جاہل یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ کے بغیر دُعا قابلِ سماعت ہی نہیں یا وسیلہ اختیار کرنے کا معنی یہ سمجھتا ہو کہ اس طرح اللہ تعالیٰ پر العیاذ باللہ کوئی بوجھ یا دباؤ ڈالا جاتا ہے، تو ایسا عقیدہ باطل ہے جس کا اسلامی تعلیمات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ توسل کے جواز کا مطلقاً انکار آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ کے انکار کے مترادف ہے۔

توسل قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو وسیلہ اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

(المائدة، ۵:۳۵)

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس (کے حضور) تک (تقرب اور رسائی کا) وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔‘‘

۲۔ قرانِ مجید گنہگاروں کو حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں آ کر اللہ سے معافی مانگنے کا سلیقہ سکھاتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا.

(النساء، ۴:۶۴)

’’اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا اور نہایت مہربان پاتے۔‘‘

۳۔ حضور ﷺ کی آمد سے پہلے یہودیوں کا معمول تھا کہ جب کفار سے جنگ میں انہیں شکست دکھائی دیتی تو وہ حضور ﷺ کے وسیلے سے دعا کرتے جس کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا.

(البقرة، ۲ : ۸۹)

’’حالانکہ اس سے پہلے وہ خود (نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ اور ان پر اترنے والی کتاب ’قرآن‘ کے وسیلے سے) کافروں پر فتح یابی (کی دعا) مانگتے تھے۔‘‘

www.MinhajBooks.com

۴۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے حجرے میں جس مقام پر اللہ نے بغیر موسم کے پھل نازل فرمائے اسی مقام پر کھڑے ہو کر دعا کی۔ قرآن مجید نے اس بابرکت مقام پر کی جانے والی دعا کا ذکر یوں فرمایا:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ.

اسی جگہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: میرے مولا! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔

توسل احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک نابینا صحابی حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بینائی کے لیے دعا کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گھر جاؤ اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعت نفل ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان الفاظ سے دعا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَامُحَمَّدُ اِنِّيْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى لِيْ. اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ.

(ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، ۵/ ۵۶۹، رقم الحدیث: ۳۵۷۸)

”اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں نبی رحمت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے، یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرتا ہوں تاکہ پوری ہو۔ اے اللہ میرے حق میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت قبول فرما“

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قحط پڑ جاتا تو حضرت عمر بن

خطاب ﷺ حضرت عباس بن عبد المطلب ﷺ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا، وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا. قَالَ فَيُسْقَوْنَ.

(بخاری، الصحیح، کتاب الاستقاء، ۱/ ۳۴۲، رقم الحدیث:۹۶۴)

’’اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی مکرم ﷺ کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے جس کے صدقے تو ہم پر بارش برسا دیتا تھا اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی مکرم ﷺ کے معزز چچا جان کو وسیلہ بناتے ہیں کہ ہم پر بارش برسا۔ فرمایا: تو ان پر بارش برسا دی جاتی۔

۳۔ ترمذی شریف میں کمزور لوگوں کو اللہ رب العزت کی رحمت کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِبْغُوْنِي ضُعَفَائَكُمْ، فَإِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ.

(ترمذی، السنن، کتاب الجهاد، ۴/ ۲۰۶، رقم الحدیث: ۱۶۴۸)

’’مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کرو، بے شک تمہیں اپنے کمزور لوگوں کی وجہ سے ہی رزق دیا جاتا ہے اور ان ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔‘‘

۴۔ حضرت عبادہ بن صامت ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَايَزَالُ فِيْ اُمَّتِي ثَلَاثُونَ ،بِهِمْ تَقُوْمُ الْاَرْضُ وَ بِهِمْ تُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ تُنْصَرُوْنَ

میری امت میں ہمیشہ تیس آدمی (ابدال) ایسے رہیں گے جن کے صدقے یہ زمین قائم رہے گی۔ اور جن کے وسیلے سے تم پر بارش برسے گی اور تمہاری مدد کی جائے گی۔

آیات واحادیث کا خلاصہ

۱۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں قرب کے لیے وسیلہ تلاش کرنا حکم خداوندی ہے۔

۲۔ کائنات کا سب سے بڑا وسیلہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس ہے۔

۳۔ وسیلہ اختیار کرنا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔

۴۔ سابقہ اقوام اورانبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور اکرم ﷺ کاوسیلہ پیش کرتے تھے۔

۵۔ وسیلہ اختیار کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کے لیے حضور ﷺ کا وسیلہ پکڑنے کا حکم دیتا ہے۔

۷۔ نماز، روزہ، عبادات اوردیگر اشیاء بھی وسیلہ ہیں۔

۸۔ حضور اکرم ﷺ کے اہل خانہ کو وسیلہ بنانا جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی معمول تھا۔

مزید مطالعہ کے لیے حضور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی درج ذیل کتب کا مطالعہ کریں:

(۱) کتاب التوسل

(۲) الفوز الجلی فی التوسل بالنّبی ﷺ

(۳) التوسل عند الآئمة و المحدّثین

(٤) الصفا فی التوسل و التبرك بالمصطفیٰ ﷺ

www.MinhajBooks.com

استعانت بالانبیاء علیہم السلام

دنیوی، دینی اور روحانی اعتبار سے ایک دوسرے کی مدد کرنا اِسلامی معاشرتی آداب و اخلاق کا حصہ ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت مخلوق خدا کی مدد کے لیے ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالی کی معرفت کا معاملہ ہو یا اس کے عطا کردہ احکامات کی تفہیم کا، زندگی گزارنے کا اسوہ درکار ہو یا قبر وحشر میں کامیابی کا، جسمانی تکلیف ہو یا روحانی، امت کو ہر قدم پر نبی کی رہنمائی اور مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر دکھ تکلیف اور مشکل گھڑی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مدد کے طالب ہوتے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا اور توجہ سے دامنِ مراد بھر کر لوٹتے۔

استعانت بالانبیاء علیہم السلام کا مفہوم

حقیقی اِستمداد و استعانت (مدد مانگنا) خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے، یعنی خواہ ہم اللہ تعالیٰ سے براہِ راست مدد مانگیں یا اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ذریعے اللہ سے مدد مانگیں دونوں صورتوں میں اصل مددگار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انبیاء کرام و اولیاء عظام سب اللہ تعالیٰ کی مدد کے لیے وسیلہ اور واسطہ ہیں۔ اہلِ ایمان ہر چیز میں اللہ رب العزت کے دستِ قدرت کو کارفرما دیکھتے ہیں اور مستعانِ حقیقی اللہ رب العزت کو ہی سمجھتے ہیں۔

اِستعانتِ حقیقی اور مجازی میں فرق

ہماری معاشرتی زندگی میں کچھ کام ایسے ہیں جو عام لوگوں کی دسترس اور قدرت میں ہوتے ہیں جیسے ضرورت مند کی مالی امداد کرنا، مریض کا علاج کرنا وغیرہ۔ اس طرح کچھ کام عام بندوں کی طاقت سے خارج ہوتے ہیں جیسے اندھے شخص کی آنکھوں کا بغیر

آپریشن کے علاج ،بغیر بادلوں کے بارش برسانا، ہر دوقسم کے کاموں میں اِستعانت (مدد مانگنا) حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام اسباب و ذرائع کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی کی مدد کرنے والے بندے فقط اللہ تعالیٰ کی مدد کا سبب ہوتے ہیں، مدد و نصرت اور اعانت کے حقیقی مالک نہیں ہوتے۔ اس لئے ان سے استمداد اور استعانت بھی مجازی ہوتی ہے حقیقی نہیں۔

حکم شرعی

خلق خدا کی اعانت یعنی مدد کرنا جہاں اسلام میں عبادت کا درجہ رکھتا ہے اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے وہاں استعانت (مدد مانگنا) انسانی معاشرت کا لازمی تقاضا بھی ہے۔ لہذا اِستعانت کے عمل کو شرک قرار دینا اِسلامی تعلیمات کے منافی اور قرآن و حدیث کا کھلا انکار ہے۔

استعانت و اِستغاثہ قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا تخت منگوانے کے لیے اپنے ساتھیوں سے مدد مانگتے ہوئے کہا کہ کون اسے جلد از جلد لا سکتا ہے؟

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ...قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ط

(النمل، ۲۷: ۳۸، ۴۰)

”سلیمان علیہ السلام فرمایا: اے دربار والو! تم میں سے کون اس (ملکہ) کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے قبل اس کے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر میرے پاس آجائیں۔۔۔ (پھر) ایک ایسے شخص نے عرض کیا جس کے پاس (آسمانی)

کتاب کا کچھ علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے (یعنی پلک جھپکنے سے بھی پہلے)۔‘‘

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے مدد مانگتے ہوئے فرمایا:

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللهِ ج اٰمَنَّا بِاللهِ ج وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ.

(آل عمران، ۳: ۵۲)

’’پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کا کفر محسوس کیا تو انہوں نے کہا: اللہ کی طرف کون لوگ میرے مددگار ہیں؟ تو اس کے مخلص ساتھیوں نے عرض کیا: ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور آپ گواہ رہیں کہ ہم یقیناً مسلمان ہیں۔‘‘

۳۔ ذوالقرنین بادشاہ نے اپنی قوم سے مدد مانگتے ہوئے کہا:

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا.

(الکہف، ۱۸: ۹۵)

(ذوالقرنین نے) کہا: مجھے میرے رب نے اس بارے میں جو اختیار دیا ہے (وہ) بہتر ہے، تم اپنے زورِ بازو (یعنی محنت و مشقت) سے میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے صبر اور نماز سے مدد مانگنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ.

(البقرۃ، ۲: ۴۵)

''اور صبر اور نماز کے ذریعے (اللہ سے) مدد چاہو اور بیشک یہ گراں ہے مگر (ان) عاجزوں پر (ہرگز) نہیں (جن کے دل محبتِ الٰہی سے خستہ اور خشیتِ الٰہی سے شکستہ ہیں)۔''

استعانت و اِستغاثہ احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ لِلّٰهِ خَلْقًا خَلَقَهُمْ لِحَوَائِجِ النَّاسِ يَفْزَعُ النَّاسُ إِلَيْهِمْ فِي حَوَائِجِهِمْ أُولٰئِكَ الْآمِنُوْنَ مِنْ عَذَابِ اللهِ.

(الطبرانی، المعجم الکبیر، ۳۵۸/۲، رقم الحدیث: ۳۳۳۴)

''اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی مخلوق ہے جنہیں اس نے لوگوں کی حاجت روائی کے لئے پیدا فرمایا ہے لوگ اپنی حاجات (کے سلسلہ) میں گھبرا کر ان کے پاس (مدد مانگنے کے لیے) آتے ہیں یہ (وہ لوگ ہیں جو) اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔''

۲۔ قیامت کے روز سورج لوگوں کے بہت قریب آ جائے گا یہاں تک کہ (اس کی تپش کے باعث لوگوں کے) نصف کانوں تک (پسینہ) پہنچ جائے گا۔ لوگ اس حالت میں انبیاء علیہم السلام سے مدد طلب کریں گے اور بالآخر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغاثہ کریں گے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِسْتَغَاثُوْا بِآدَمَ، ثُمَّ بِمُوْسٰى ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

(بخاری، الصحیح، کتاب الزکاۃ، ۲/ ۵۳۶، رقم الحدیث: ۱۴۰۵)

''لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے مدد مانگنے جائیں گے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، پھر بالآخر (ہر ایک کی معذرت پر) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگیں گے۔''

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا حافظہ شروع میں بہت کمزور تھا اور وہ احادیث یاد نہیں رکھ پاتے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ سے مدد طلب کی، جس وہ خود بیان فرماتے ہیں:

قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنِّی أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيْثاً كَثِيْراً أَنْسَاهُ: قَالَ ﷺ: اُبْسُطْ رِدَائَكَ. فَبَسَطْتُهُ، قَالَ: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ضُمَّهُ فَضَمَمْتُهُ: فَمَا نَسِيْتُ شَيْأً بَعْدَهُ.

(بخاری، الصحیح، کتاب العلم، ۱/ ۵۶ رقم الحدیث: ۱۱۹)

''میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ کی بہت سی احادیث سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ پس میں نے (چادر) پھیلائی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر حضور ﷺ نے (ہوا میں سے کوئی ان دیکھی چیز) اپنے دست مبارک سے چلو بھر کر اس چادر میں ڈالی پھر فرمایا: اسے اپنے (سینے) سے ملا لو۔ پس میں نے اسے اپنے سینے سے ملا لیا اور پھر اس کے بعد میں کبھی کوئی چیز نہ بھولا۔''

آیات واحادیث کا خلاصہ

۱۔ نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں مدد کرنا حکمِ خداوندی ہے۔

۲۔ دوسروں سے مدد مانگنا سنتِ انبیاء علیہم السلام اور سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔

۳۔ سب بڑی استعانت حضور نبی اکرم ﷺ سے میدان حشر میں کی جائے گی کیونکہ قیامت کے دن ساری خلق خدا حضور نبی اکرم ﷺ سے مدد مانگے گی۔

تفصیل کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ''مسئلہ استغاثہ اور اس کی شرعی حیثیت'' کا مطالعہ کریں۔

تبرک بالانبیاء علیہم السلام

تبرک بالانبیاء علیہم السلام کا مفہوم

اللہ وحدہٗ لا شریک تمام برکتوں کا حقیقی مالک اور مؤثر حقیقی ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآنِ مجید میں انبیاء علیہم السلام سے منسوب اشیاء کی تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی استعمال شدہ اشیاء سے تبرک حاصل کرنا خود سنتِ انبیاء علیہم السلام ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ نیک مقرب بندوں سے منسوب اشیاء کی تعظیم کرنا بھی حکمِ قرآنی اور سنتِ انبیاء کرام علیہم السلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار مبارکہ کو بطور تبرک محفوظ رکھنا اور ان سے برکت حاصل کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا معمول رہا ہے۔

حکمِ شرعی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء اور صالحین کے آثار مبارکہ سے برکت حاصل کرنا ایک جائز اور مستحسن عمل ہے۔ ایسی اشیاء کی تعظیم اور تبرک سنت انبیاء اور حکم قرآنی ہے۔ اس کا کلیۃً انکار آیاتِ قرآنی، سینکڑوں احادیث اور صحابہ و تابعین کے کثیر معمولات کا کھلا انکار ہے۔

تبرک قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات کو سجدہ گاہ بنانے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط

(البقرة، ۲: ۱۲۵)

’’اور (حکم دیا کہ) ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مقامِ نماز بنا لو۔‘‘

۲۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور ان کی نیکو کار اولاد کی استعمال شدہ اشیاء کو بطور تبرک ایک صندوق میں سنبھال کر رکھا ہوا تھا جسے تابوتِ سکینہ کہا جاتا تھا۔ اور ان تبرکات سے وہ برکت حاصل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت علیہ السلام کی امارت کے من جانب اللہ ہونے کی نشانی کے طور پر اس صندوق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.

(البقرة، ۲: ۲۴۸)

’’اس کی سلطنت (کے مِنْ جانِبِ اللہ ہونے) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکونِ قلب کا سامان ہوگا اور کچھ آلِ موسیٰ علیہ السلام اور آلِ ہارون علیہ السلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہوگا۔ اگر تم ایمان والے ہو تو بے شک اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے۔‘‘

۳۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ جن دو پہاڑیوں (صفا و مروۃ) کے درمیان پانی کی تلاش میں دوڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قدموں کی برکت سے ان پہاڑیوں کو اپنی نشانیاں بنا لیا۔ (جو قیامت تک لوگوں کے لیے حصولِ برکت کا ذریعہ ہے)۔ان بابرکت مقامات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ

(البقرة، ۲: ۱۵۸)

’’بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔‘‘

۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کی آنکھوں کی بینائی کے لیے اپنی قمیص بھجوائی جس کا تذکرہ قرآنِ مجید یوں فرماتا ہے۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ج

(یوسف، ۱۲: ۹۳)

’’(یوسف علیہ السلام نے کہا) میرا یہ قمیص لے جاؤ، سو اِسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا، وہ بینا ہو جائیں گے۔‘‘

جب قمیص کو لاکر سیدنا یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا گیا تو ان کی بینائی لوٹ آئی جس کا ذکر اسی سورۃ یوسف کی آیت نمبر 96 میں ہوا ہے۔

تبرک بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احادیث مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک وضو کا پانی حاصل کرنے کے لیے بڑھ چڑھ کر کوشش کرنا صحابہ کرام کا معمول تھا:

اِذَا تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهٖ.

(بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، ۱/ ۸۱، رقم الحدیث: ۱۸۶)

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وضو فرماتے تو قریب تھا کہ لوگ (تبرکاً) اس پانی کے حصول کے لیے آپس میں لڑ پڑتے۔‘‘

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ.

(مسلم، الصحیح، کتاب الطہارۃ، ۱/ ۲۳۷، رقم الحدیث: ۲۸۶)

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس (نومولود) بچے لائے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں برکت کی دعا دیتے اور (اپنے مبارک لعابِ دہن سے انہیں) گھٹی دیتے۔‘‘

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک کی برکتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضرت خالد بن ولید یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَحَلَقَ رَأسَهٗ، وَابْتَدَرَ النَّاسُ جَوَانِبَ شَعْرِهٖ، فَسَبَقْتُهُمْ اِلٰی نَاصِيَتِهٖ فَجَعَلْتُهَا فِيْ هٰذِهِ الْقَلَنْسُوَةِ، فَلَمْ اَشْهَدْ قِتَالًا وَّ هِيَ مَعِيَ اِلَّا رُزِقْتُ النَّصْرَ.

(حاکم، المستدرک، ۳/ ۹ ۲۹ ، رقم الحدیث: ۹ ۵۲۹)

’’ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کرنے کے بعد حلق کروایا تو لوگ آگے بڑھ بڑھ کر آپ ﷺ کے موئے مبارک حاصل کر رہے تھے۔ حضرت خالد بن ولید فرماتے ہیں کہ میں نے کوشش کی تو مجھے آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کا ایک بال مل گیا۔ میں نے اس کو اپنی ٹوپی میں سی لیا۔ اس کے بعد کبھی بھی اس ٹوپی کے بغیر کسی جنگ میں شرکت نہیں کی اور جب بھی اس ٹوپی کے ساتھ شرکت کی اللہ تعالیٰ نے اس موئے مبارک کی برکت سے فتح و نصرت عطا فرمائی۔‘‘

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو اپنے استعمال شدہ پانی سے تبرک حاصل کرنے کا خود حکم فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

دَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِقَدَحٍ فِيْهِ مَاءٌ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهٗ فِيْهِ وَمَجَّ فِيْهِ، ثُمَّ قَالَ لَهُمَا: اِشْرَبَا مِنْهُ، وَأَفْرِغَا عَلٰی وُجُوْهِكُمَا وَنُحُوْرِكُمَا.

(بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، ۱/ ۸۰، رقم الحدیث: ۱۸۵)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا۔ پس اپنے ہاتھوں اور چہرہ اقدس کو اُسی میں دھویا اور اُسی میں کلی کی پھر اُن دونوں (یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوعامر اشعری) سے فرمایا: اس میں سے پی لو اور اپنے چہروں اور سینوں پر بھی ڈال لو۔‘‘

آیات واحادیث کا خلاصہ

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ وجملہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ سے منسوب اشیاء سے برکت لینا قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی استعمال شدہ اشیاء کی تعظیم حکمِ خداوندی ہے۔

۳۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے منسوب اشیاء سے تبرک اور توسل سابقہ امتوں کا معمول تھا۔

۴۔ تبرکاتِ انبیاء وصلحاء کی برکت سے کامیابی اور شفاء نصیب ہوتی ہے۔

۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے منسوب اشیاء سے برکت حاصل کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمولِ مبارک تھا۔

مزید تفصیل کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ''دستِ مصطفیٰ ﷺ کے معجزات اور برکاتِ مصطفیٰ ﷺ'' کا مطالعہ کریں۔

ایمان بالکتب

تعریف

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت تک جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض پر کتابیں اور بعض پر صحائف نازل فرمائے۔ ان تمام صحیفوں اور کتابوں کے منزل من اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ) ہونے پر ایمان لانا ایمان بالکتب ہے۔

حکمِ شرعی

تمام آسمانی کتابوں اور صحائف کے منزل من اللہ ہونے کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ اس کا انکار آیات قرآنی کا انکار ہے جو کہ کفر ہے۔ سابقہ آسمانی کتب اور صحائف آج محفوظ نہیں ہیں اور ان میں تحریف ہو چکی ہے، جبکہ قرآنِ مجید ہر قسم کی تحریف اور کمی و بیشی سے محفوظ کتاب ہے۔ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا ہے اس لیے تاقیامت یہ کتاب محفوظ رہے گی۔ قرآن مجید کے لفظاً اور معناً منزل من اللہ ہونے اور ہمیشہ محفوظ رہنے کا عقیدہ رکھنا ہر مومن کے لیے لازم ہے۔

ایمان بالکتب قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو قرآن مجید کے ساتھ ساتھ سابقہ آسمانی کتب پر بھی ایمان لانے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ

(النساء، ۴/ ۱۳۶)

’’اے ایمان والو! تم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی ہے اور (ہر) اس کتاب پر جو اس نے (اس سے) پہلے اتاری تھی ایمان لاؤ‘‘

۲۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتب اور صحائف پر ایمان لانے کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ.

(البقرة، ۲:۱۳۶)

’’(اے مسلمانو!) تم کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس (کتاب) پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر (بھی) جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد کی طرف اتاری گئی اور ان (کتابوں) پر بھی جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو عطا کی گئیں اور (اسی طرح) جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کو ان کے رب کی طرف سے عطا کی گئیں، ہم ان میں سے کسی ایک (پر بھی ایمان) میں فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی (معبودِ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔‘‘

چار آسمانی کتب کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

(i) وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا.

(النساء، ۴: ۱۶۳)

’’اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا کی تھی۔‘‘

(ii) اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ.

(المائدة، ۵: ۴۴)

’’بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا۔‘‘

(iii) وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ.

(المائدة، ۵: ۴۶)

’’اور ہم نے ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور تھا۔‘‘

(iv) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ.

(البقرة، ۲: ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن اتارا گیا ہے جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور (جس میں) رہنمائی کرنے والی اور (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والی واضح نشانیاں ہیں۔

سابقہ کتب میں تحریف

قرآن مجید کے علاوہ باقی تمام کتب سماوی میں صاحب کتاب نبی کے وصال کے بعد ان کی قوم کے لوگ لفظی اور معنوی دونوں طرح کی تبدیلیاں کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج قرآن مجید کے علاوہ کوئی بھی کتاب اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں۔ ان کتب میں لوگوں کی طرف سے کی گئی تبدیلی کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ.

(المائدة، ۵: ۱۳)

وہ لوگ (کتابِ الٰہی کے) کلمات کو ان کے (صحیح) مقامات سے بدل دیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج ان کتابوں کے جتنے نسخے موجود ہیں ان کے موازنے سے سے ان میں بے شمار اختلافات اور تضادات سامنے آتے ہیں۔

اعجاز قرآن

قرآن مجید کے بے شمار معجزات میں سے ایک عظیم اور زندہ معجزہ یہ بھی ہے کہ یہ کتاب آج تک ہر قسم کی تحریف اور تبدیلی سے پاک ہے۔ کیونکہ نزول قرآن اور حفاظت قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ.

(الحجر، ۱۵:۹)

''بے شک یہ ذکرِ عظیم (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔''

اللہ تعالیٰ کے اسی وعدے کا اعجاز ہے کہ چودہ صدیوں سے زائد عرصہ گزر جانے اور انقلابات زمانہ کے باوجود قرآن مجید ہر قسم کی تحریف اور کمی بیشی اور تحریف سے پاک ہے۔ دنیا میں قرآن مجید کے جتنے نسخے موجود ہیں اگر ان کا موازنہ کیا جائے تو ایک حرف بلکہ زیر زبر کی کمی بیشی بھی نہیں ملے گی اور نہ ان میں کوئی تضاد اور اختلاف ملے گا۔

ایمان بالکتب احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كَانَ بَيۡنَ آدَمَ وَنُوۡحٍ عَشۡرَةُ قُرُوۡنٍ كُلُّهُمۡ عَلٰى شَرِيۡعَةٍ مِّنَ الۡحَقِّ: فَلَمَّا اخۡتَلَفُوۡا بَعَثَ اللهُ النَّبِيِّيۡنَ وَالۡمُرۡسَلِيۡنَ وَ أَنۡزَلَ كِتَابَهٗ فَكَانُوۡا اُمَّةً وَّاحِدَةً.

(حاکم، المستدرک، ۲/ ۴۸۰، رقم الحدیث: ۳۶۵۴)

’’آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیاں تھیں وہ تمام لوگ اللہ کی طرف سے شریعت پر تھے۔ جب انہوں نے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اوران پر اپنی کتب نازل فرمائیں۔ پس وہ ایک امت بن گئے۔‘‘

آیات واحادیث کا خلاصہ

۱۔ اللہ رب العزت نے ہدایت انسانی کے لیے کتب اور صحائف نازل فرمائے۔

۲۔ چار کتب ’’تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید‘‘ مشہور کتب سماوی ہیں۔

۳۔ سابقہ آسمانی کتب میں لوگوں کی طرف سے تبدیلی کی جا چکی ہے اس لیے وہ محفوظ نہیں رہیں۔

۴۔ قرآن مجید ہر قسم کی تبدیلی اور کمی بیشی سے محفوظ ہے۔

ایمان بالملائکہ

تعریف

ملائکہ ’’ملک‘‘ (فرشتہ) کی جمع ہے۔ فرشتے ایک لطیف اور نورانی مخلوق ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے بھی ملائکہ موجود تھے۔ عام انسان انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ اللہ رب العزت نے تمام فرشتوں کو الگ الگ ذمہ داریاں عطا کر رکھی ہیں اور وہ اپنی ذمہ داری میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ فرشتوں کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ط

(المدثر، ۷۴:۳۱)

’’اور آپ کے رب کے لشکروں (فرشتوں) کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔‘‘

فرشتوں کو مختلف شکلیں بدلنے پر قدرت بھی حاصل ہے۔ امام بیضاویؒ ملائکہ کی حقیقت کے بارے میں ایک متفقہ قول بیان فرماتے ہیں۔

فَذَهَبَ أَكْثَرُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى أَنَّهَا أَجْسَامٌ لَطِيْفَةٌ، قَادِرَةٌ عَلَى التَّشَكُّلِ بِأَشْكَالٍ مُخْتَلِفَةٍ.

(بیضاوی، التفسیر، ۱/ ۸۰۔۸۱)

’’پس جمہور مسلمانوں کے مطابق ملائکہ وہ لطیف نورانی اجسام ہیں جنہیں (اپنی لطافت ونورانیت کے باعث) مختلف شکلیں بدلنے پر قدرت حاصل ہوتی ہے‘‘۔

www.MinhajBooks.com

عقیدہ

فرشتے اللہ رب العزت کی برگزیدہ نوری مخلوق ہیں، احکامِ الٰہیہ کی تعمیل کے پابند ہیں۔ اللہ رب العزت نے انہیں بہت قوتیں اور اختیارات عطا فرما رکھے ہیں۔ ان پر ایمان لانا اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔

چار فرشتے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں، انہیں تمام ملائکہ پر فضیلت حاصل ہے۔

۱۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام　　۲۔ حضرت میکائیل علیہ السلام

۳۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام　　۴۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام

حکمِ شرعی

اللہ تعالیٰ کے تمام فرشتوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ جبکہ ان کے وجود کا انکار کرنا کفر ہے۔

ملائکہ قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر ایمان کو نیکی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَيۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰـكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ.

(البقرۃ، ۲: ۱۷۷)

’’نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔‘‘

۲۔ ملائکہ کی ہیبت اور مختلف ذمہ داریوں کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ رب العزت نے

متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا:

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ. (الانبياء، ۲۱:۲٦)

”بلکہ (جن فرشتوں کو یہ اُس کی اولاد سمجھتے ہیں) وہ (اللہ کے) معزز بندے ہیں“۔

٣. اِنَّ اللهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.

(الاحزاب، ۳۳، ۵٦)

”بے شک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبیّ (مکرمّ ﷺ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔“

٤. لَّا يَعْصُوْنَ اللهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ.

(التحریم، ٦٦، ٦)

”ملائکہ کسی بھی امر میں جس کا اللہ انہیں حکم دیتا ہے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام انجام دیتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔“

ملائکہ احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ وَّخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَّخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ.

(مسلم، الصحيح، كتاب الزهد، ۴/ ۲۲۹۴، رقم الحديث: ۲۹۹٦)

”فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا جنات کو شعلہ زن آگ سے پیدا کیا گیا اور آدم کو اس شے سے پیدا کیا گیا جس کی صفت اللہ تعالیٰ نے تمھیں بیان فرمائی ہے (یعنی خاک سے)“

۲۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ

إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،.....الخ.

’’اچانک ایک شخص ہماری محفل میں آیا، اس کے کپڑے نہایت سفید، بال گہرے سیاہ تھے، اس پر سفر کے کچھ بھی اثرات نمایاں نہ تھے اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہیں تھا۔ بالآخر وہ شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا ۔۔۔۔جب وہ سوالات کر کے رخصت ہو گئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

فَإِنَّهُ جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(بخاری ،الصحیح، کتاب الإیمان، ۱/۲۷،رقم الحدیث: ۵۰)

’’آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے‘‘۔

آیات و احادیث کا خلاصہ

۱۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ مخلوق ہیں۔

۲۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری میں مصروف رہتے ہیں۔

۳۔ فرشتے نورانی اور لطیف مخلوق ہیں جنہیں عام انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی ۔

۴۔ فرشتوں کو مختلف شکلیں بدلنے پر قدرت حاصل ہے۔

۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا جہاں اللہ تعالیٰ کی سنت ہے وہاں ملائکہ کی ڈیوٹی بھی ہے۔

ایمان بالآخرت

دینِ اسلام اس ختم ہونے والی عارضی زندگی کے بعد مستقل اور دائمی زندگی کے متعلق ایک مکمل عقیدہ عطا کرتا ہے۔ دین اسلام میں عقیدہ آخرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے، قبر اور حشر میں حساب وکتاب اور جنت و جہنم میں دخول کا پختہ عقیدہ ایک مسلمان کی زندگی کو با مقصد اوراسکے اعمال کو صالح بنا سکتا ہے۔

ہرشخص کو موت کے بعد زندہ ہوکر اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ جنت یا دوزخ (کی صورت میں جزا و سزا) سے ہمکنار ہوگا۔اس زندگی کا نام اخروی زندگی ہے اور اس زندگی پر ایمان لانے کا نام ایمان بالآخرت ہے۔موت کے بعد زندگی کے دو مرحلے ہیں۔

۱۔برزخ (مرحلہ قبر)

۲۔بعث بعد الموت (یعنی دوبارہ جی اٹھنے، میدان حشر میں جمع ہونے حساب و کتاب اور جنت وجہنم میں خلود)

حیاتِ برزخی کی تعریف

دو چیزوں کے درمیان روک اور آڑ کو برزخ کہتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد موت سے قیامت تک کا درمیانی عرصہ ہے۔ ہرانسان خواہ مسلمان ہو یا کافر، نیک ہو یا گنہگار مرنے کے بعد اسے زندہ کیا جائیگا۔ اس شخص سے اس کے رب، دین اور حضور نبی اکرم ﷺ سے متعلق سوال کیا جائیگا۔جس کے بعد نیکو کار لوگوں کے لیے جزا اور ظالموں اور بدبختوں کے لیے عذاب کے دروازے کھل جائیں گے۔

حکمِ شرعی

حیاتِ برزخی متعدد آیات و احادیث سے ثابت ہے جس کا انکار، قرآن و حدیث

کا کھلا انکار ہے۔

برزخ (قبر) کی زندگی آیات قرآنی کی روشنی میں

۱۔ قبر میں ہر شخص کو قیامت کے دن تک ایک طویل زندگی گزارنی ہوگی جو کہ دنیا اور حشر کے درمیان ایک پردے کی طرح ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ.

(المومنون، ۲۳:۱۰۰)

''اور ان کے آگے اس دن تک ایک پردہ (حائل) ہے (جس دن) وہ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے''۔

۲۔ ہر شخص نے دو دو مرتبہ زندگی اور موت کے مرحلے سے گزرنا ہے۔قبر میں دوسری زندگی کے بعد حشر کی طرف پلٹنا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ.

(البقرة، ۲:۲۸)

''تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے اس نے تمہیں زندگی بخشی، پھر تمہیں موت سے ہمکنار کرے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے''۔

۳۔ کفار اور منافقین کو تین مرتبہ عذاب سے گزرا جائے گا۔ دنیا میں، قبر میں، اور جہنم میں۔ قبر میں زندگی ملے گی تو عذاب دیا جائے گا۔

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ.

(التوبة، ۹:۱۰۱)

’’عنقریب ہم انہیں دو مرتبہ (دنیا ہی میں) عذاب دیں گے پھر وہ (قیامت میں) بڑے عذاب کی طرف پلٹائے جائیں گے۔‘‘

اس آیت کریمہ میں کل تین عذابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ عذابِ دنیا (ذلت و رسوائی کا عذاب)، عذابِ قبر اور عذابِ عظیم یعنی جہنم کا عذاب۔

برزخ اور قبر کی زندگی احادیث مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ ’’حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بندے کو (مرنے کے بعد) جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی (تدفین کے بعد واپس) لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر کہتے ہیں:

مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هَذَا الرَّجُلِ؟ لِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللهِ وَ رَسُوْلُهُ. فَيُقَالُ لَهُ: انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ، قَدْ أَبْدَلَكَ اللهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ، فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا:

(بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، ۷۹/۱، رقم الحدیث: ۱۸۲)

’’تو اِس شخص یعنی (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق (دنیا میں) کیا کہا کرتا تھا؟ اگر وہ مومن ہو تو کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے (کامل) بندے اور اس کے (سچے) رسول ہیں۔ اس سے کہا جائے گا: (اگر تو انہیں پہچان نہ پاتا تو تیرا جو ٹھکانہ ہوتا) جہنم میں اپنے اس ٹھکانے کی طرف دیکھ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس (معرفتِ مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) بدلہ میں جنت میں ٹھکانہ دے دیا ہے پس وہ دونوں (جنت و جہنم) کو دیکھے گا‘‘

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ وَ سَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ.

(ابو داود، السنن، كتاب الجنائز، ۳:۲۱۵، رقم الحديث: ۳۲۲۱)

''جب نبی اکرم ﷺ میت کے دفن کرنے سے فارغ ہوئے تو وہاں کچھ دیر ٹھہرے اور فرمایا اپنے بھائی کے لئے دعائے مغفرت کرو اور اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کہ اس سے اب سوالات ہو رہے ہیں''۔

آیات و احادیث کا خلاصہ

۱۔ موت کے بعد برزخی زندگی یعنی قبر کی زندگی حق ہے۔

۲۔ قبر میں نکیرین کے سوالات کے جواب میں کامیابی پر اِنعام و اِکرام جبکہ ناکامی پر سزا اور عذاب ہو گا۔

۳۔ مرحلہ قبر میں کامیابی کا فیصلہ حضور نبی اکرم ﷺ کی پہچان پر ہو گا۔

۴۔ جنازہ کے بعد استغفار کرنا حضور نبی اکرم ﷺ کی جہاں سنت ہے وہاں آپ کا حکم بھی ہے۔

حیاتِ انبیاء علیہم السلام

حیات برزخی سے متعلق اہم عقائد و اعمال کے بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حیات برزخی یعنی قبر کی زندگی حق ہے جس میں ہر شخص کو نئی زندگی ملتی ہے۔ پھر عام بندوں میں سے جو اس کی راہ میں اپنی جان سے گزر جاتے ہیں اللہ رب العزت ان ہستیوں کو شہادت کا رتبہ دے کر حیات ابدی عطا کر دیتا ہے۔ روح نکل جانے اور جسم کے مٹی میں دفن ہونے کے باوجود اللہ رب العزت شہداء کو نہ صرف مردہ کہنے کی بلکہ مردہ گمان کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ شہداء کو یہ فضیلت اپنے انبیاء کی اطاعت کرتے ہوئے نصیب ہوئی ہے۔ اگر امتی کی حیات برزخی کا عالم یہ ہے تو انبیاء کی حیات برزخی کس قدر بلند ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ساری دنیا سے افضل انسانوں یعنی اپنے انبیاءِ کرام علیہم السلام کو بھی وصال کے دروازے سے گزار کر حیات ابدی عطا کرتا ہے۔ مٹی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے جسموں کی حفاظت کرتی ہے۔

حیاتِ انبیاء علیہم السلام کا مفہوم

انبیاء کرام علیہم السلام اور حضور نبی اکرم ﷺ اپنی قبور میں جسم اور روح کے ساتھ صاحبِ حیات (زندہ) ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ ساری کائنات اور اپنے امتیوں کے احوال سے نہ صرف آگاہ رہتے ہیں بلکہ ان کا مشاہدہ بھی فرماتے ہیں۔ اُن کے درود و سلام کو سنتے اور جواب بھی عطا فرماتے ہیں۔ انبیاء کی حیاتِ برزخی حیاتِ دنیاوی سے بھی قوی تر ہوتی ہے۔

حکمِ شرعی

انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی قبروں میں زندہ ہونے، حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت کے احوال کا مشاہدہ کرنے، غلاموں کا درود و سلام سننے اور جواب دینے کی طاقت کا

عطا ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اس کا کلیۃً انکار آیات و احادیث کا انکار ہے۔

حیاتِ انبیاء قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ساری اُمتوں اور ان کے انبیاء کے احوال و اعمال پر گواہ بنایا ہے۔ گواہ وہی ہوتا ہے جس نے واقعے کا مشاہدہ کیا ہوا ہو۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا.

(النساء، ۴:۴۱)

''پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔''

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ قیامت تک اپنی امت میں موجود ہیں۔ آپ کے دامن سے وابستگی طراطِ مستقیم کی ضمانت ہے۔

وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ط وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

(آل عمران، ۳:۱۰۱)

''اور تم میں (خود) اللہ کے رسول ﷺ موجود ہیں، اور جو شخص اللہ (کا سہارا) مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔''

۳۔ نبی اکرم ﷺ مومنین کی جانوں سے بھی قریب ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ط

(الاحزاب، ۳۳:۶)

یہ نبی (مکرّم ﷺ) مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں اور آپ کی ازواجِ (مطہّرات) اُن کی مائیں ہیں۔

۴۔ اللہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو امتیوں کے احوال کے مشاہدے کی قوت عطا فرمائی ہے۔

وَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ.

(التوبة، ۹:۹۴)

’’اور اب (آئندہ) تمہارا عمل (دنیا میں بھی) اللہ دیکھے گا اور اس کا رسول ﷺ بھی (دیکھے گا)۔‘‘

حیاتِ انبیاء احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ زمین انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کی حفاظت کرتی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَآءِ فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُّرْزَقُ.

(ابن ماجه، السنن، کتاب الجنائز، ۱/ ۵۲۴، رقم الحديث: ۱۶۳۷)

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کا کھانا حرام کرلیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی عطا کیا جاتا ہے۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ آج بھی اپنے امتیوں کے سلام کا جواب عطا فرماتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ أَحَدٍ يُّسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

(ابو داود، السنن، کتاب المناسک، ۲/ ۲۱۸، رقم الحديث: ۲۰۴۱)

’’میری امت میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام بھیجے مگر اللہ تعالیٰ نے

مجھ پر میری روح لوٹا دی ہے حتی کہ میں ہر سلام کرنے والے (کو اس) کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔‘‘

۳۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے سرہانے بٹھایا اور فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس کے پاس لے جانا اگر تم دیکھو کہ دروازہ (خودبخود) کھول دیا گیا ہے تو مجھے وہاں دفن کر دینا۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) سب سے پہلے میں نے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر پہنچ کر اجازت چاہتے ہوئے عرض کیا:

يَارَسُوْلَ اللهِ: هٰذَا أَبُوْبَكْرٍ مُّسْتَأْذِنٌ فَرَأَيْتُ الْبَابَ قَدْ تَفَتَّحَ وَسَمِعْتُ قَائِلًا يَقُوْلُ: أَدْخِلُوْا الْحَبِيْبَ اِلٰى حَبِيْبِهٖ فَإِنَّ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ مُشْتَاقٌ.

(الخصائص الكبرى، ۲/ ۲۱۸، رقم الحديث:۲۰۴۱)

’’یارسول اللہ! یہ ابوبکر ہیں جو اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں؟ پھر میں نے دیکھا کہ روضۂ اقدس کا دروازہ (خودبخود) کھل گیا اور میں نے سنا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے حبیب کو اس کے حبیب کے ہاں اندر لے آؤ۔ بے شک حبیب اپنے پیارے دوست کی ملاقات کے لیے مشتاق ہے‘‘۔

۴۔ حضرت سعید بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ایام حرہ (جن دنوں یزید لعین نے مدنیہ منورہ پر حملہ کروایا تھا) کا واقعہ پیش آیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد نبوی میں تین دن تک اذان اور اقامت نہیں کہی گئی۔ ان حالات میں حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ نے تین دن مسجد نبوی نہیں چھوڑی تھی۔ اُن کے حوالے سے روایت بیان کرتے ہیں کہ:

وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلَاةِ إِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ.

(دارمی، السنن، ۱/ ۵۶، رقم الحدیث: ۹۳)

’’اور وہ نماز کا وقت نہیں جانتے تھے مگر ایک دھیمی سی آواز کے ذریعے جو وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبرِ انور سے سنتے تھے‘‘۔

آیات و احادیث کا خلاصہ

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھانا حرام قرار دیا ہے۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ روح اور جسم کے ساتھ قبرِ انور میں زندہ ہیں جبکہ روحانی طور پر پوری کائنات کا مشاہدہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ اپنی امت میں موجود ہیں۔ آپ ﷺ امتیوں کا درود و سلام سنتے ہیں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ امت کے احوال سے آگاہ ہیں اور ان کا مشاہدہ فرماتے ہیں

۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ ساری کائنات پر گواہ (مشاہدہ کرنے والے) ہیں۔

مزید تفصیل کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ’’حیات النبی ﷺ‘‘ کا مطالعہ کریں۔

حیات برزخی سے متعلق بعض مسائل

تلقین میت

دنیاوی زندگی ختم ہونے پر اِنسان کے لیے دو وقت سخت آزمائش کے ہیں: ایک حالتِ نزع کا؛ دوسرا تدفین کے بعد قبر میں ہونے والے سوالات کا۔ اگر کسی کو خاتمہ بالخیر (مرتے وقت حق) نصیب نہ ہوا تو عمر بھر کا کیا دھرا سب برباد گیا اسی طرح اگر کوئی قبر کے امتحان میں ناکام ہوا تو اُس کی اُخروی زندگی برباد ہوگئی۔ اِس لیے زندہ لوگوں کو چاہیے کہ ان کٹھن مراحل میں اپنے پیاروں سے تعاون کریں۔ مرتے وقت ان کے پاس کلمہ طیبہ پڑھتے رہیں اور بعد از تدفن بھی کلمہ طیبہ پڑھتے رہیں تاکہ وہ قبر امتحان میں بھی کامیاب ہو جائیں۔

تعریف

مسلمان کو مرنے سے قبل حالتِ نزع میں کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت کی تلقین کرنا اور تدفین کے بعد اس کی قبر پر کھڑے ہو کر کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت اور قبر میں پوچھے جانے والے سوالات کے جوابات کی تلقین کرنا، تلقین میت کہلاتا ہے۔

حکمِ شرعی

مسلمان کو مرنے سے قبل اور تدفین کے بعد دونوں طرح کی تلقین کے بارے میں اَحادیثِ مبارکہ اور آثارِ صحابہ و تابعین میں واضح مثالیں ملتی ہیں اور یہ اُمور شرعاً ثابت شدہ اور باعثِ فضیلت ہیں۔ مرنے کے بعد میت کو اُس کے عقائد یاد دلانا اور ان کے اقرار کی تلقین کرنا نہ صرف مستحب بلکہ ایک مسنون عمل ہے۔ اس پر عمل نہ کرنے والا گنہگار نہ ہوگا لیکن اس عمل کا مذاق اڑانا احادیث رسول ﷺ اور آثارِ صحابہ و تابعین کی تحقیر اور بے حرمتی ہے۔

حالتِ نزع میں تلقین کے بارے میں فرامینِ رسول ﷺ

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ.

(مسلم، الصحیح، کتاب الجنائز، ۲ /۶۳۱، رقم الحدیث: ۹۱۶)

اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ (کلمہ طیبہ) کی تلقین کیا کرو

۲۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے قریب المرگ شخص کے پاس قرآن مجید کی تلاوت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِقْرَءُ و يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ .

(ابی داود، السنن، کتاب الجنائز، ۸ /۳۸۵، رقم الحدیث: ۲۷۱۴)

’’قریب الموت آدمی کے پاس سورۂ یٰسین پڑھا کرو۔‘‘

۳۔ حالتِ نزع میں میت کو درود شریف پڑھنے کی تلقین کی جائے تاکہ اس کے لیے جاں کنی کا مرحلہ آسان ہوجائے۔ حضرت محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ میں:

دَخَلْتُ عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَهُوَ يَمُوتُ، فَقُلْتُ: اقْرَأْ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ السَّلَامَ.

(ابن ماجہ، السنن، کتاب الجنائز، ۱ /۴۶۶، رقم الحدیث: ۱۴۵۰)

’’حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت اُن کے پاس گیا تو میں نے عرض کیا: آپ رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجیں۔‘‘

بعد اَز تدفین تلقین کے بارے میں فرامینِ رسول ﷺ

درج بالا روایات حالتِ نزع میں کلمہ طیبہ تلقین کرنے کے حوالے سے ہیں۔ اگر

ان روایات کے الفاظ کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تو ان سے بعد اَز تدفین تلقین کرنا بھی ثابت ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ ائمہ کرام نے ان روایات کو قبل اَز مرگ تلقین پر محمول کیا ہے اِس لیے ہم نے ان روایات کو حالتِ نزع میں تلقین کرنے کے ذیل میں ہی درج کیا ہے

۱۔ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ.

''اپنے مردوں کو لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ کی تلقین کیا کرو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! كَيْفَ لِلْأَحْيَاءِ (اِسے زندہ لوگوں کے واسطے پڑھنا کیسا ہے)؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَجْوَدُ وَ أَجْوَدُ.

(ابن ماجه، السنن، کتاب الجنائز، ۱/ ۴۶۵، رقم الحدیث: ۱۴۴۶)

''بہت ہی اچھا ہے، بہت ہی اچھا ہے۔''

۲۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَقِّنُوا هَلْكَاكُمْ قَوْلَ لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ .

(نسائی، السنن، کتاب الجنائز، ۴/ ۵، رقم الحدیث: ۱۸۲۷)

''اپنے فوت شدگان کو لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ کی تلقین کرو۔''

۳۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی فوت

ہوجائے اور اسے قبر میں دفن کر چکو تو تم میں سے ایک آدمی اُس کے سرہانے کھڑا ہو جائے اور اسے مخاطب کر کے کہے: اے فلاں ابن فلاں! بے شک وہ مدفون سنتا ہے لیکن جواب نہیں دیتا۔ پھر دوبارہ مردے کو مخاطب کرتے ہوئے کہو: اے فلاں ابنِ فلاں! اس آواز پر وہ بیٹھ جاتا ہے۔ پھر کہو: اے فلاں ابنِ فلاں! اس پر وہ مردہ کہتا ہے: اللہ تم پر رحم فرمائے، ہماری رہنمائی کرو۔ لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہوتا۔ پھر وہ تلقین کرنے والا کہے:

اُذْكُرْ مَا خَرَجْتَ عَلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا، شَهَادَةُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَاَنَّكَ رَضِيْتَ بِاللّٰهِ رَبّاً، وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيّاً، وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْناً، وَّبِالْقُرْآنِ إِمَاماً.

(المعجم الكبير للطبراني، ۸/ ۲۴۹، رقم الحديث: ۷۹۷۹)

''اُس اَمر کو یاد کرو جس پر تم دنیا سے رُخصت ہوتے ہوئے تھے اور وہ یہ کہ اِس اَمر کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور پیغمبر ہیں؛ اور یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، محمد ﷺ کے نبی ہونے، اسلام کے دین ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی تھا''۔

۴۔ حضرت عثمان بنِ عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ، وَقَفَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ، وَسَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ. فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ.

(ابو داؤد، السنن، كتاب الجنائز، ۳/ ۲۱۵، رقم الحديث: ۳۲۲۱)

'' حضور نبی اکرم ﷺ جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوجاتے تو وہاں کھڑے ہوکر فرماتے: اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا مانگو، کیونکہ اب اِس سے سوالات ہوں گے۔''

احادیثِ مبارکہ سے کا خلاصہ

۱۔ حالتِ نزع اور تدفین کے بعد مردے کے لیے کلمہ طیبہ اور دیگر کلمات کی تلقین کرنا حضور ﷺ کا حکم ہے۔

۲۔اپنے لیے تلقین کی وصیت کرنا صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔

۳۔مسلمان کے پاس اس کی حالتِ نزع میں درود وسلام پڑھنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔

۴۔تدفین کے فورا بعد مسلمان کی بخشش اور قبر میں ہونے والے سوالات میں اس کیلئے ثابت قدمی کی اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنا حضور ﷺ کا حکم ہے۔

۵۔قبر کے سوالات کے جوابات کے کلمات سے تلقین کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔

سماعِ موتیٰ[1]

۱۔ اللہ رب العزت نے انسانی ارواح کو تخلیق فرمایا، ان سب سے اپنے رب ہونے کا وعدہ لیا کہ: ''اَلَستُ بِرَبِّکُمْ۔''

''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟''

سب نے اقرار کیا کہ ہاں ''باری تعالیٰ تو ہی ہمارا رب ہے۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے ارواحِ انبیاء علیہم السلام سے بھی وعدہ لیا۔ یہ سب کچھ نہ ہم نے دیکھا، نہ سنا اور نہ سمجھا لیکن ہمارے لیے ان پر ایمان رکھنا لازم ہے۔

۲۔ اللہ رب العزت ہر روح کو مقررہ وقت پر بشری لباس میں زمین پر بھیجتا ہے۔ شکمِ مادر میں اپنی مرضی سے ان کی صورتیں تخلیق فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ.

(آل عمران، ۳:۶)

''وہی ہے جو (ماؤں کے) رحموں میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے''

ایک مقررہ وقت پر ہر ذی روح نے اس فانی دنیا سے جانا ہوتا ہے۔ یہ سب وہ ابدی حقائق ہیں جن پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

۳۔ اسی طرح مرنے کے بعد میدانِ حشر میں جمع ہونے سے پہلے بھی ایک زندگی ہے جسے حیاتِ برزخی کہا جاتا ہے۔ اس زندگی میں بھی انسان دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی، اس زندگی میں انسان کو رزق بھی دیا جاتا ہے۔ ہمیں یہ سب دکھائی دے یا نہ دے ہر صورت اس پر ایمان رکھنا لازم ہے کیونکہ ان تمام امور کا ذکر متعدد آیاتِ قرآنیہ اور کثیر احادیث مقدسہ میں موجود ہے۔

عقیدۂ سماعِ موتیٰ:

انسان کو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دیکھنے، بولنے اور خصوصاً سننے کی صلاحیت عطا

فرماتا ہے۔ موت کے بعد سننے کی صلاحیت کے عطا ہونے کو سماعِ موتی کہتے ہیں۔

حکمِ شرعی:

سماعِ موتیٰ کا تصور متعدد آیاتِ قرآنی اور بیسیوں احادیثِ مبارکہ سے واضح طور پر ثابت ہے۔ اس کا انکار کھلی گمراہی اور آیات و احادیث کے انکار کے مترادف ہے۔

حیاتِ برزخی اور سماعِ موتیٰ قرآنی آیات کی روشنی میں:

۱۔ قرآن مجید شہدا کو قبر میں ملنے والی زندگی کی کیفیات یوں بیان کرتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ.

(آل عمران، ۳: ۱۶۹)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں ہرگز مردہ خیال (بھی) نہ کرنا، بلکہ وہ اپنے ربّ کے حضور زندہ ہیں انہیں (جنت کی نعمتوں کا) رزق دیا جاتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو گزشتہ انبیاء سے سوال کرنے کا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم بے مقصد نہیں ہوسکتا۔

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ.

(الزخرف، ۴۳: ۴۵)

''اور جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے آپ اُن سے پوچھئے کہ کیا ہم نے (خدائے) رحمان کے سوا کوئی اور معبود بنائے تھے کہ اُن کی پرستش کی جائے۔''

۳۔ جب صالح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا اور وہ سارے لوگ ہلاک ہو گئے تو صالح علیہ السلام

نے وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے ان مردہ لوگوں سے یوں خطاب فرمایا!

فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ.

(الاعراف، ۷: ۷۹)

''پھر (صالح علیہ السلام نے) ان سے منہ پھیر لیا اور کہا: اے میری قوم! بے شک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا اور نصیحت (بھی) کر دی تھی لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند (ہی) نہیں کرتے''۔

حیاتِ برزخی اور سماعِ موتیٰ احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بدر کے روز کفارِ قریش کے چوبیس سرداروں کی لاشوں کو ایک اندھے کنوئیں میں پھینکنے کا حکم فرمایا تھا۔ جنگ کے تیسرے روز آپ ﷺ اس کنوئیں کے کنارے پر تشریف لے گئے (جہاں قریش کے مقتولین کو پھینکا گیا تھا) اور آپ ﷺ ان (کفار) سے یوں مخاطب ہوئے!

فَجَعَلَ يُنَادِيهِمْ بِاَسْمَائِهِمْ وَاَسْمَاءِ آبَائِهِمْ: يَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ! وَيَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ! أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللهَ وَ رَسُولَهُ. فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا، فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا تُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا أَرْوَاحَ لَهَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُولُ مِنْهُمْ.

(بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، ۴/ ۱۴۶۱، رقم الحدیث: ۳۷۵۷)

''حضور نبی اکرم ﷺ ان لوگوں کے نام مع ولدیت لے کر انہیں مخاطب فرمانے لگے: اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا یہ بات تمہیں اچھی لگتی ہے

کہ تم اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے۔ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جس چیز کا وعدہ فرمایا تھا وہ ہمیں حاصل ہوگئی ہے۔ بتاؤ جس کا اس نے تمہارے لیے وعدہ کیا تھا وہ تمہیں ملی ہے یا نہیں؟ راوی کا بیان ہے کہ اس صورت حال پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! آپ ایسے جسموں سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔''

۲۔ قبر میں دفن ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ ہر انسان کو سننے کی صلاحیت لوٹا دیتا ہے۔

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، وَتَوَلّٰى عَنْهُ أَصْحَابُهُ وَ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ.

بندے کو (مرنے کے بعد) جب اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی (تدفین کے بعد واپس) لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر کہتے ہیں:

مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ لِمُحَمَّدٍ ﷺ، فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ: اشْهَدُ انَّهُ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ. فَيُقَالُ لَهُ: انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ، قَدْ أَبْدَلَكَ اللهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ، فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا

(بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، ۱/۷۹، رقم الحدیث: ۱۸۲)

''تو اِس شخص یعنی (سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ) کے متعلق (دنیا میں) کیا کہا کرتا تھا؟ اگر وہ مومن ہو تو کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے (کامل) بندے اور اس کے (سچے) رسول ہیں۔ اس سے کہا جائے گا: (اگر تو انہیں

پہچان نہ پاتا تو تیرا جو ٹھکانہ ہوتا) جہنم میں اپنے اس ٹھکانے کی طرف دیکھ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس (معرفتِ مقامِ مصطفیٰ ﷺ کے) بدلہ میں جنت میں ٹھکانہ دے دیا ہے پس وہ دونوں کو دیکھے گا‘‘

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے شہدا اُحد سے ان کی شہادت کے آٹھ سال بعد یوں خطاب فرمایا: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی قَتْلٰی أُحُدٍ، بَعْدَ ثَمَانِي سِنِيْنَ كَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْيَاءِ وَالْأَمْوَاتِ. ثُمَّ طَلَعَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ: اِنِّی بَيْنَ اَيْدِيْكُم فَرَطٌ وَ اَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيْدٌ وَاِنَّ مَوْعِدَكُم الْحَوْضُ وَ اِنِّی لَاَ نْظُرُ اِلَيْهِ مِنْ مَقَامِیْ هٰذَا.

(بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، ۴/ ۱۴۸۶، رقم الحدیث: ۳۸۱۶)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے شہداء احد پر (دوبارہ) آٹھ سال بعد اس طرح نماز پڑھی گویا زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہے ہوں۔ پھر ممبر پر جلوہ افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا! میں تمہارا پیش رو ہوں، میں تمہارے اوپر گواہ ہوں، ہماری ملاقات کی جگہ حوضِ کوثر ہے۔ اور میں اس جگہ سے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ قبرستان تشریف لے گئے اوراہل قبور کو ان کلمات سے سلام فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَإِنَّآ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِكُمْ لَاحِقُوْنَ.

(صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، ۱/ ۲۱۸، رقم الحدیث: ۲۴۹)

اے مومن اہل قبور! تم پر سلامتی ہو اور بے شک ہم اگر اللہ نے چاہا تو تم سے ملنے والے ہیں۔

۵۔ اہلِ قبور نہ صرف قبر پر آنے والوں کو سنتے ہیں بلکہ جواب دینے کی صلاحیت بھی

رکھتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے شہداء اُحد کی قبروں پر تشریف لے گئے اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ عَبْدَكَ وَنَبِيَّكَ يَشْهَدُ اَنَّ هٰؤُلَآءِ شُهَدَآءُ وَ اَنَّهٗ مَنْ زَارَهُمْ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ رَدُّوْا عَلَيْهِ.

(حاکم، المستدرک، کتاب المغازی، ۳/ ۳۱، رقم الحدیث: ۴۳۲۳)

’’اے اللہ: بے شک تیرے بندے اور تیرے نبی ﷺ ان شہداء کے بارے میں گواہی دیتے ہیں اور جو ان کی زیارت کرے اور قیامت کے دن تک ان پر سلام کرے تو یہ اس کا جواب لوٹائیں گے۔‘‘

آیات واحادیث کا خلاصہ

۱۔ مرنے کے بعد مومن اور کافر تمام انسانوں کو اللہ تعالی دیکھنے، سننے بولنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت پلٹا دیتا ہے۔

۲۔ قبر حساب وکتاب کا پہلا مرحلہ ہے۔ قبر میں ہر ایک سے اس کے رب، دین اور حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں سوالات ہونگے۔

۳۔ اہلِ قبور قبر پر آنے والوں کی آواز سنتے ہیں، انہیں پہچانتے ہیں اور کلام کا جواب دیتے ہیں۔

۴۔ مسلمان اہلِ قبور کو سلام کرنا حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول اور حکم ہے۔

۵۔ شہداء اور صالحین قیامت تک قبروں سے سلام کا جواب دیتے رہینگے۔

۶۔ اہلِ قبور کی جملہ کیفیات (کلام، سزا اور جزا) انسان اور جن کے علاوہ ساری مخلوقات سنتی اور دیکھتی ہیں۔

۷۔ قبور پر اجتماع اور وعظ ونصیحت کی مجلس منعقد کرنا سنت رسول ﷺ ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ شہداء احد کی قبور پر کثیر صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے اور منبر پر جلوہ افروز ہو کر وعظ ارشاد فرمایا۔

زیارتِ قبور

اسلام مسلمانوں کو آپس میں ایک ایسا مضبوط اور گہرا رشتہ عطا کرتا ہے جو مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا بلکہ قائم رہتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے امت پر لازم کرتے ہوئے فرمایا کہ والدین اعزاء و اقارب جب دنیا سے رخصت ہوجائیں تو ان کو غسل دو، کفن پہناؤ اور مل کر ان کی نماز جنازہ پڑھو۔ پھر انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں باعزت طریقے سے دفن کرو۔ تدفین کے بعد ان کی قبور کی زیارت، ان کا احترام اور فاتحہ خوانی حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کثرت سے جنت البقیع میں جایا کرتے اور خصوصاً آپ ﷺ نے شہدا اُحد کی قبور پر باقاعدہ منبر منگوا کر صحابہ کرام کے جمِ غفیر کو خطبہ ارشاد فرمایا۔ اولیاء ومقربین کے مزار کے احاطے میں وعظ ونصیحت (بصورت عرس) کی دلیل آقا علیہ السلام کا یہی عمل مبارک ہے۔

حکمِ شرعی

قبروں پر جانا اور اہل قبور کی بخشش کی دعا کرنا حکم نبوی ہے اور سنت رسول ﷺ ہے۔
قبروں پر جانے کو ناجائز اور حرام سمجھنا کھلی گمراہی، جہالت اور سنتِ رسول ﷺ کا انکار ہے۔

زیارتِ قبور قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ اہل قبور سے مایوس ہونا کفار کی علامت ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ.

(الممتحنة، ۶۰: ۱۳)

’’اے ایمان والو! ایسے لوگوں سے دوستی مت رکھو جن پر اللہ غضبناک ہوا ہے

بے شک وہ آخرت سے (اس طرح) مایوس ہو چکے ہیں جیسے کفار اہلِ قبور سے مایوس ہیں‘‘۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کو فقط منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھنے اور ان کی قبر پر جانے سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَمَا تُوۡا وَهُمۡ فٰسِقُوۡنَ.

(التوبۃ، ۹:۸۴)

’’اور آپ کبھی بھی ان (منافقوں) میں سے جو کوئی مر جائے اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھیں اور نہ ہی آپ اس کی قبر پر کھڑے ہوں (کیوں کہ آپ کا کسی جگہ قدم رکھنا بھی رحمت و برکت کا باعث ہوتا ہے اور یہ آپ کی رحمت و برکت کے حقدار نہیں ہیں)۔ بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور وہ نافرمان ہونے کی حالت میں ہی مر گئے۔‘‘

زیارتِ قبور احادیث مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كُنۡتُ نَهَيۡتُكُمۡ عَنۡ زِيَارَةِ الۡقُبُوۡرِ، فَزُوۡرُوۡهَا، فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنۡيَا وَتُذَكِّرُ الۡاٰخِرَةَ.

(ابن ماجه، السنن، كتاب الجنائز، ۱/ ۵۰۱، رقم الحديث: ۱۵۷۱)

’’میں تمہیں زیارت قبور سے منع کیا کرتا تھا اب زیارت (قبور) کیا کرو کیونکہ یہ دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔‘‘

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ رات کے آخری

پھر جنت البقیع میں تشریف لے جاتے اور (اہل قبرستان سے) فرماتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَإِنَّآ إِنْ شَآءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ.

(مسلم، الصحيح، كتاب الجنائز، ۲/ ۶۶۹، رقم الحديث: ۹۷۴)

’’تم پر سلامتی ہو، اے مومنوں کے گھر والو! اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ بقیع غرقد (مدنیہ کے قبرستان) والوں کی مغفرت فرما۔‘‘

۳۔ مسجد نبوی کی صفائی کرنے والے صحابی کی تدفین حضور نبی اکرم ﷺ کے آرام کی خاطر آپ ﷺ کو مطلع کیئے بغیر کردی گئی تو اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

دُلُّوْنِيْ عَلٰى قَبْرِهٖ فَدَلُّوْهُ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَةٌ ظُلْمَةً عَلٰى أَهْلِهَا، وَإِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِيْ عَلَيْهِمْ.

(مسلم، الصحيح، كتاب الجنائز، ۲/ ۶۵۹ ، رقم الحديث: ۹۵۶)

’’مجھے اس کی قبر کے بارے میں بتاؤ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو اس کا مقام تدفین بتایا پھر آپ نے (خود وہاں تشریف لے جاکر) اس کی نماز جنازہ ادا کی اور فرمایا: یہ قبریں ان قبروالوں کے لیے ظلمت اور تاریکی سے بھری ہوئی ہیں۔ اور بے شک اللہ میری ان پر پڑھی گئی نماز جنازہ کی بدولت (ان کی تاریک قبور میں) روشنی فرمادے گا۔‘‘

۴۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلٰى قَتْلٰى أُحُدٍ، بَعْدَ ثَمَانِيْ سِنِيْنَ كَالْمُوَدِّعِ لِلْأَحْيَاءِ وَالْأَمْوَاتِ.

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے شہداء احد پر (دوبارہ) آٹھ سال بعد اس طرح نماز پڑھی گویا زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہے ہوں۔

پھر آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا:

وَإِنِّيْ لَسْتُ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوْا، وَلٰكِنِّيْ أَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوْهَا.

(بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، ۴/۱۴۸۶، رقم الحدیث: ۳۸۱۶)

’’اور مجھے تمہارے متعلق اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ تم (میرے بعد) شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے بلکہ مجھے تمہارے دنیا کی محبت میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔‘‘

آیات و احادیث کا خلاصہ

۱۔ قبروں پر جانا سنتِ محمدی ﷺ ہے۔

۲۔ قبرستان میں جانا اور اہلِ قبرستان کو سلام کرنا حضور ﷺ کی سنت اور حکم ہے۔

۳۔ قبروں پر حاضری کا مقصد دنیا سے بے رغبتی، آخرت کا خوف، دلوں میں رقت اور گریہ و زاری ہونا چاہیے۔

۴۔ قبروں پر لغو باتوں اور غیر شرعی حرکات سے حضور نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

۵۔ قبرستان میں بیٹھ کر عبادت و دعاء کرنا بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔

۶۔ اہلِ قبور اور آخرت سے مایوسی کفار کا شیوہ ہے۔

مزید تفصیل کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ’’زیارتِ قبور‘‘ کا مطالعہ کریں۔

www.MinhajBooks.com

مزاراتِ اولیاء پر حاضری کے آداب

قاضی الحاجات، فریاد رس اور حقیقی مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ لیکن مقربینِ بارگاہِ الٰہی انبیاء علیہم السلام و اولیاء عظام کا دُعا میں توسل جائز ہے اور اِن کے توسل سے دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری اور دُعا سے متعلق بعض طبقات کی سوچ اور طرزِ عمل افراط و تفریط کا شکار ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو سرے سے اِس کے جواز کا ہی قائل نہیں بلکہ اِسے صریح شرک و بدعت گردانتا ہے۔ اِس کے برعکس عوام الناس کا ایک طبقہ وہ ہے جسے اہلِ علم کی سند حاصل نہیں وہ بھی اِس سلسلہ میں جہالت اور تفریط میں مبتلا ہے۔ جمہور مسلمانوں کا مزارات پر طریقِ حاضری و دُعا نہایت معقول اور حزم و احتیاط کا آئینہ دار ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلویؒ سے مزارات پر فاتحہ کے طریقہ کے متعلق پوچھا گیا کہ ''بزرگوں کے مزار پر جائیں تو فاتحہ کس طرح سے پڑھا کریں؟'' انہوں نے جواب دیا: ''مزاراتِ شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی (پاؤں کی طرف) کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ پر مواجہہ (چہرے) کی طرف کھڑا ہو اور متوسط آواز میں مودبانہ سلام کرے۔ ختم وغیرہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ الٰہی اس قرأت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے نہ کہ اِتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اِسے میری طرف سے اِس بندۂ مقبول کو نذر پہنچا۔ پھر اپنا جو مطلب جائز شرعی ہو اُس کے لئے دُعا کرے اور صاحبِ مزار کی رُوح کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے۔ پھر اُسی طرح سلام کر کے واپس آئے۔ مزار کو ہاتھ نہ لگائے، نہ بوسہ دے۔ طواف بالاتفاق ناجائز ہے جبکہ سجدہ حرام ہے۔''

(احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، ۴:۲۱۲)

چنانچہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ اِس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

’’بہتر یہی ہے کہ اربابِ علم اور رہنمایانِ قوم میں سے کوئی آدمی مزارات کا بوسہ نہ لے تا کہ دیکھا دیکھی میں بے علم اور عام اَن پڑھ لوگ گمراہی کے بھنور میں نہ پھنس جائیں۔ کیونکہ وہ جہالت کی وجہ سے بوسہ اور سجدہ میں تمیز نہیں کر سکتے۔‘‘

(پیر مہر علی شاہ، تحقیق الحق : ۱۰۵)

تعظیماً بوسہ دینا فی نفسہٖ منع اور ناجائز نہیں ہے۔ اکابر علماء و مشائخ نے صرف احتیاط کی خاطر بوسہ دینے سے منع کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواص کا عمل عامۃ الناس کے لئے دلیل و حجت ہوتا ہے اِس لئے خواص کو بطورِ خاص احتیاط کا دامن تھامنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ خواص تو بوسہ اور سجدہ کا فرق بخوبی سمجھتے ہیں لیکن عوام یہ فرق نہیں سمجھتے اِس لئے عوام کی خاطر انہیں بھی منع کیا گیا ہے۔

سجدۂ تعظیمی اور قبر کی سمت سجدہ کرنے کی ممانعت

سجدہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں۔ غیر اللہ کو سجدۂ عبادت کفر ہے۔ جبکہ سجدۂ تعظیمی حرام ہے بلکہ مزارات پر ایسا عمل بھی ممنوع ہے جو سجدہ کی سی مشابہت رکھتا ہو۔

حضرت ابو مرثد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

لَا تُصَلُّوْا إِلَى الْقُبُوْرِ وَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا.

(مسلم، الصحیح، کتاب الجنائز، ۲ /۶۶۸، رقم الحدیث: ۹۷۲)

’’قبروں کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو اور نہ اُن پر بیٹھو۔‘‘

مزارات کے طواف اور شور وغل کی ممانعت

کعبۃ اللہ کے علاوہ کسی مقام یا قبر کا طوافِ تعظیمی منع ہے۔ فقہائے کرام نے

قبرستان میں خیرات اور شیرینی تقسیم کرنے سے اس لئے منع کیا ہے کیونکہ تقسیم کے وقت بچے اور عورتیں شور وغل کرتے ہیں۔ قبرستان کا ادب و احترام قائم نہیں رہتا اور چھینا جھپٹی میں قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ مساکین اور زائرین کے لئے مزارات پر کھانے پینے کا الگ اہتمام ہونا چاہیے۔ خیرات کی چیزیں اُوپر سے پھینکنا اور لوگوں کا اُن کو بطور تبرک حاصل کرنے کے لئے شور وغل کرنا، ایسے تمام اُمور غلط ہیں اور سلف صالحین نے اِن کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ اس طرزِ عمل سے ایک تو رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے، دوسرا مزار کا ماحول اور اُس کا تقدس پامال ہوتا ہے اور تیسرا اِس میں ریاکاری کا عمل دخل ہے۔ لہٰذا ایسے تمام اُمور سے پرہیز کرنا چاہیے۔

مزارات پر نذر و نیاز اور تبرک کی حقیقت

مزاراتِ اولیاء پر نذر و نیاز دینے اور وہاں ''لنگر'' جاری کرنے کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ ایک نیک عمل ہے جس کی اصل قرآن وسنت میں موجود ہے۔ یہ صدقہ جاریہ کی ایک مستحسن صورت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کو نواز رکھا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا.

(الدھر، ۷۶: ۸)

''اور وہ (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوُجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں۔''

کھانا کھلانا اہل اللہ کے نزدیک نفلی عبادت سے زیادہ باعثِ ثواب ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مخلوقِ خدا کی خدمت در اصل اللہ تعالیٰ کو خوش رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ حضور نبی اکرم کی سیرتِ طیبہ کا نمایاں وصف ہے اور اسوۂ حسنہ کے اتباع میں تمام صوفیاء کا معمول رہا ہے۔ حضور ﷺ خود یتیموں، مسکینوں اور ناداروں کا سہارا اور ملجا تھے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کسی نے سوال کیا:

أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَمْ تَعْرِفْ.

(بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، ۱/ ۱۹، رقم الحدیث: ۲۸)

’’بہترین اسلام کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کھانا کھلائے اور سلام کرے اس شخص کو جس کو تو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔‘‘

مزارات پر ’’لنگر‘‘ کھانا کھلانے کی ایک بہترین شکل ہے۔ چنانچہ ایک جائز مشروع اور مخلوقِ خدا کیلئے مفید عمل کو بلا دلیل ناجائز عمل کہنا دراصل دین میں تجاوز ہے۔

دوسری طرف اس سے بھی زیادہ قباحتیں موجود ہیں۔ انہی قباحتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کئی لوگوں نے اس لنگر یا نذر و نیاز کے کھانے سے متعلق بہت سی خود ساختہ باتیں گھڑ رکھی ہیں۔ کہیں اس کی شفا کے مبالغہ آمیز تذکرے کیے جاتے ہیں، کہیں اس کے عدمِ استعمال پر انجام بد سے ڈرایا جاتا ہے اور کسی جگہ کا لنگر ہر گناہ اور معصیت سے چھٹکارے کا ضامن سمجھا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں بعض مقامات اور مزارات پر اس نیک عمل کو بے جا پابندیوں اور اضافی شرطوں سے خاص کر دیا جاتا ہے مثلاً شیرینی کے ساتھ مختلف تحریریں لکھ دی جاتی ہیں جن کے ذریعے زائرین پر نفسیاتی طور پر ترغیب و ترہیب سے اثر انداز ہونے کی کوشش بھی کی جاتی ہے کہ ’’یہ کھانے سے اتنے پھیرے اور اسی طرح کی نیاز کی مزید تقسیم ضروری ہے۔‘‘ وغیرہ۔

یہ سب رسوم و رواج جہالت اور مزارات کے غلط استعمال کی مختلف شکلیں ہیں ایسی قباحتوں سے صاحبِ مزار کو یقیناً تکلیف پہنچتی ہے اس لئے ایسے امور سے ممکنہ حد تک

www.MinhajBooks.com

بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ عرس کی شیرینی کھانے کے فضائل بیان کرنے اور نہ کھانے والے کو محروم سمجھے جانے کی کوئی اصل نہیں ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی مزار پر جا کر براہِ راست اُنہیں حاجت روا سمجھ کر ایسے الفاظ کہنا جائز نہیں۔ اِس سلسلہ میں ہمیں لوگوں کو صحیح اور متوازن طریقہ بتاتے رہنا چاہیے۔ مشکل کشا، داتا گنج بخش، غریب نواز، دستگیر وغیرہ جیسے القابات جو بزرگوں کے ساتھ اِستعمال کیے جاتے ہیں، مجازاً کئے جاتے ہیں۔ اور ان کا استعمال کرنا جائز ہے۔ یہ فیوض و برکات اور تاثیرات انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جاتی ہیں۔ یہ مستقل بالذات ان کے مالک نہیں ہوتے۔ حقیقی داتا، مشکل کشاء اور دستگیر اللہ تعالیٰ ہے۔

مزید وضاحت کے لیے شیخ لاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ''کتاب التوحید'' کا مطالعہ کریں۔

بعث بعد الموت

تعریف

قیامت کے قائم ہونے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کو بعث بعد الموت کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن ہر نفس کو نئی زندگی دی جائے گی اور حساب و کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی شفاعتِ کبریٰ سے حساب و کتاب کا آغاز فرمائے گا۔ میزان پر اعمال تولے جائیں گے اور پل صراط سے گزارا جائے گا۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جنت یا جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

حکمِ شرعی

بعث بعد الموت قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اس کا انکار صریحاً کفر ہے۔

بعث بعد الموت قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ قرآن مجید میں اہل ایمان کا ایک وصف یہ بیان کیا گیا ہے:

وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ

(البقرة، ۲:۴)

اور وہ آخرت پر بھی (کامل) یقین رکھتے ہیں۔

۲۔ کفار موت کے بعد جی اٹھنے کا انکار اور تعجب کرتے تھے کہ مر کے مٹی ہو جانے کے بعد مردوں کو کیسے زندہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ءَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ○

قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَo فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَo

(الصافات، ۳۷:۱۶ تا ۱۹)

کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو ہم یقینی طور پر (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (اٹھائے جائیں گے)۔ فرما دیجئے: ہاں اور (بلکہ) تم ذلیل و رسوا (بھی) ہو گے۔ پس وہ تو محض ایک (زور دار آواز کی) سخت جھڑک ہوگی سو سب اچانک (اٹھ کر) دیکھنے لگ جائیں گے۔

۳۔ روز محشر تمام لوگوں کو ان کے اعمال دکھائے جائیں گے۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْo فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗo وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ.

(الزلزلة، ۹۹:۶ تا ۹)

اس دن لوگ مختلف گروہ بن کر (جدا جدا حالتوں کے ساتھ) نکلیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے (بھی) دیکھ لے گا۔

بعث بعد الموت احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ أَنَا، ثُمَّ أَبُوْ بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ آتِي أَهْلَ الْبَقِيعِ، فَتَنْشَقُّ عَنْهُمْ فَأُبْعَثُ بَيْنَهُمْ.

(حاکم، المستدرک، ۳/۷۲، رقم الحدیث ۴۴۲۹)

''سب سے پہلے جس سے زمین پھٹے گی وہ میں ہوں گا، پھر ابو بکر سے، پھر عمر

سے، پھر میں اہلِ بقیع کے پاس آؤں گا تو ان سے زمین شق (پھٹے) ہوگی پھر میں ان سب کے درمیان اٹھایا جاؤں گا۔‘‘

۲۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَزُوْلُ قَدِمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُسْئَلَ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَ اَفْنَاهُ وَ عَنْ عِلْمِهٖ فِيْمَ فَعَلَ وَ عَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اِكْتَسَبَهٗ وَ فِيْمَ اَنْفَقَهٗ وَ عَنْ جِسْمِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ.

(ترمذی، السنن، باب صفة القيامة، رقم الحديث: ۲۴۱۷)

’’قیامت کے دن کوئی بندہ اس وقت تک اپنے رب کے سامنے سے قدم نہیں اٹھا سکے گا جب تک اللہ تعالیٰ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کر لے: اس نے اپنی زندگی کہاں گزاری؟ اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ مال کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اور اپنا جسم کن کاموں میں پرانا کیا؟‘‘

آیات و احادیث کا خلاصہ

۱۔ قبر کی زندگی کے بعد حشر کے دن حساب و کتاب کے لیے اٹھایا جائے گا۔

۲۔ حشر کے دن حضور نبی اکرم ﷺ سب سے پہلے اپنی قبرِ انور سے اٹھیں گے۔

۳۔ قیامت کے دن ہر شخص کو اسکے جملہ اعمال دیکھائے جائیں گے۔

۴۔ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی زندگی، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں اور اپنے اعمال کا جوابدہ ہوگا۔

www.MinhajBooks.com

عقیدۂ شفاعت

بعث بعد الموت کے باب میں عقیدہ شفاعت کے ذکر کا سبب یہ ہے کہ قیامت میں جی اُٹھنے اور میدان حشر میں جمع ہونے کے بعد حساب و کتاب کا آغاز ہی شفاعت کبریٰ یعنی شفاعتِ محمدی ﷺ کے ذریعے ہوگا۔ اس کے بعد اللہ رب العزت روزِ قیامت اپنے حبیبِ مکرم ﷺ، قرآنِ مجید، حفاظ، اولیاء اللہ، اعمال صالحہ اور اِن کے علاوہ مزید جسے چاہے گا گنہگاروں کی ''شفاعت'' کا اذن عطاء فرمائے گا۔

اصطلاحی مفہوم

کسی بلند مقام ومرتبہ رکھنے والے شخص کا اپنے سے کم مرتبے یا کم حیثیت والے شخص کو اپنے ساتھ ملا کر اس کی مغفرت وبخشش اور اس پر لطف وکرم کیلئے بارگاہ الٰہی میں التجا کرنا شفاعت کہلاتا ہے۔

عقیدۂ شفاعت

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں (انبیاء کرام، اولیاء اللہ)، اشیاء اور اعمال (جیسے فوت ہوجانے والے نابالغ بچے، قرآن، رمضان اور دیگر عبادات) کو یہ اعزاز اور مقام عطا فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے خطاکار بندوں کے حق میں بخشش و مغفرت کی سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان خاص بندوں کی شفاعت قبول فرمائے گا اور گنہگاروں کی بخشش و مغفرت فرما کر انہیں اپنی رضا اور جنت سے سرفراز فرمائے گا۔

حکمِ شرعی

شفاعت جمہور مسلمانوں کا وہ عقیدہ ہے جو قرآن و احادیث اور اجماع امت سے قطعی طور پر ثابت ہے اس لیے اس پر ایمان رکھنا ضروریات دین میں شامل ہے۔

شفاعت کے وجود سے مطلقاً انکار قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ سے انکار کے مترادف ہے جو کہ صریحاً کفر ہے۔

عقیدۂ شفاعت قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے شفاعت کی دو اقسام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا.

(النساء، ۴: ۸۵)

''جوشخص کوئی نیک سفارش کرے تو اس کے لیے اس (کے ثواب) سے حصہ (مقرر) ہے اور جو کوئی بری سفارش کرے اس کے لئے اس (کے گناہ) سے حصہ (مقرر) ہے''۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے جن کو شفاعت اجازت عطا کر رکھی ہے قیامت کے دن ان کی شفاعت گنہگاروں کو نفع دے گی۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِيَ لَهٗ قَوْلًا.

(طه،۲۰: ۱۰۹)

''اس دن سفارش سود مند نہ ہوگی سوائے اس شخص (کی سفارش) کے جسے (خدائے) رحمٰن نے اذن (واجازت) دے دی ہے اور جس کی بات سے وہ راضی ہو گیا ہے (جیسا کہ انبیاء و مرسلین، اولیاء، متقین، معصوم بچوں اور دیگر کئی بندوں کا شفاعت کرنا ثابت ہے)۔''

۳۔ اللہ تعالیٰ نے جن سے وعدہ شفاعت فرمایا ہے انہیں قیامت کے روز شفاعت کا اختیار حاصل ہو گا۔

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا.

(مریم، ۱۹:۸۷)

’’(اس دن) لوگ شفاعت کے مالک نہ ہونگے سوائے اس کے جس نے (خدائے) رحمٰن سے وعدہ (شفاعت) لے لیا ہے۔‘‘

۴۔ شفاعت صرف آخرت میں ہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی ہوتی اور کی جاتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنے باپ سے عرض کی۔

قَالُوْا یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ.

(یوسف، ۱۲:۹۷)

’’وہ بولے: اے ہمارے باپ! ہمارے لئے (اللہ سے) ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے، بے شک ہم ہی خطا کار تھے۔‘‘

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے لیے دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما کر ان کے بیٹوں کی خطا معاف فرما دی۔

عقیدۂ شفاعت احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفاعت کے وسیع اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خُيِّرْتُ بَيْنَ الشَّفَاعَةِ وَبَيْنَ اَنْ يَّدْخُلَ نِصْفُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ، فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ لِأَنَّهَا أَعَمُّ وَأَكْفٰى.

(ابن ماجه، السنن، كتاب الزهد، ۲/۱۴۴۱، رقم الحديث:۴۳۱۱)

’’مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے میں (قیامت کے روز) شفاعت کا حق اختیار کروں یا میری آدھی امت بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوجائے۔ پس میں

نے شفاعت کو اختیار کر لیا کیونکہ وہ عام تر اور زیادہ کفایت کرنے والی ہے۔‘‘

۲۔ قیامت والے دن جب ساری امتیں حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آئیں گی اور آپ ﷺ سے عرض کریں گی کہ اللہ کے حضور سفارش کریں کہ وہ حساب و کتاب کا آغاز فرمائے۔ اس پر آقا ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائیں گے اور اس کے حضور سجدہ کریں گے۔ اس پر اللہ رب العزت فرمائے گا:

يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ.

(بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، ۶/ ۲۷۲۷، رقم الحدیث: ۷۰۷۲)

’’اے محمد ﷺ! اپنا سر اٹھایئے اور کہئے سنا جائیگا اور سوال کیجئے عطا کیا جائیگا اور شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔‘‘

۳۔ اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، جو مومن نجات پا کر جنت میں چلے جائیں گے وہ اپنے اُن مسلمان بھائیوں کو جو جہنم میں پڑے ہونگے جہنم سے چھڑانے کیلئے (بطورِ ناز) اللہ سے ایسا جھگڑا کریں گے جیسا جھگڑا کوئی شخص (دنیا میں) اپنا حق مانگنے کے لئے بھی نہیں کرتا۔ وہ اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے۔

كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ مَعَنَا، وَيُصَلُّوْنَ وَيَحُجُّوْنَ، فَيُقَالُ لَهُمْ. أَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ فَتُحَرَّمُ صُوَرُهُمْ عَلَى النَّارِ، فَيُخْرِجُوْنَ خَلْقاً كَثِيْرًا قَدْ أَخَذَتِ النَّارُ اِلٰى نِصْفِ سَاقَيْهِ وَإِلٰى رُكْبَتَيْهِ.

(مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، ۱/ ۱۶۹، رقم الحدیث: ۱۸۳)

’’اے ہمارے رب! یہ لوگ (ہماری سنگت اختیار کئے ہوئے تھے کہ) یہ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے۔ ان

سے کہا جائیگا جن لوگوں کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو۔ ان لوگوں کی صورتیں آگ پر حرام کردی جائیں گی (تا کہ جنتی لوگ ان کو پہچان سکیں) پھر جنتی مسلمان کثیر تعداد میں ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لائیں گے جن میں سے بعض کو نصف پنڈلیوں تک اور بعض کو گھٹنوں تک دوزخ کی آگ نے جلا ڈالا ہوگا۔‘‘

۴۔ حضور ﷺ نے قیامت کے دن شفاعت کرنے والے طبقات کا کرتے ہوئے فرمایا! حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ: أَلْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ.

(ابن ماجه، السنن، كتاب الزهد، ۲/ ۱۴۴۳، رقم الحديث: ۴۳۱۳)

’’روز قیامت تین گروہ شفاعت کریں گے: انبیاء، علماء اور شہداء۔‘‘

آیات واحادیث کا خلاصہ

۱۔ شفاعت کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بندوں کو دیا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہ کرسکے گا۔

۳۔ شفاعت قبول کرنا سنتِ الٰہی ہے۔

۴۔ قیامت کے دن انبیاء، علماء، شہدا، صالحین، اعمال صالحہ، قرآنِ مجید، رمضان، فوت ہوجانے والے نابالغ بچے اور اللہ جنہیں اذن دے گا وہ بھی شفاعت کریں گے۔

مزید وضاحت کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ’’کتاب الشفاعۃ‘‘ کا مطالعہ کریں۔

ایمان بالقدر

تقدیر کا معنی و مفہوم

لفظِ قدر عربی زبان کا لفظ ہے جو قَدَرَ یَقْدِرُ قَدْرًا سے ماخوذ ہے۔ قدر کے لفظی معنی اندازہ لگانے اور پیدا کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد خدا تعالیٰ کا وہ ذاتی ارادہ ہے جو مختلف حقائقِ کائنات کے تعلق میں اپنے اپنے مقررہ اوقات پر ظاہر ہوتا ہے۔ اِسی مسئلے کا نام مسئلہ تقدیر یا مسئلہ قضا و قدر ہے۔

مذکورہ مفہوم کی تائید درج ذیل آیاتِ مقدسہ کرتی ہیں۔

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○

(الانعام،۶:۹۶)

’’(وہی) صبح (کی روشنی) کو رات کا اندھیرا چاک کر کے نکالنے والا ہے، اور اسی نے رات کو آرام کے لیے بنایا ہے اور سورج اور چاند کو حساب وشمار کے لیے، یہ بہت غالب بڑے علم والے (ربّ) کا مقررہ اندازہ ہے‘‘۔

اس سے مراد کائنات اور نبی نوع انسان کے احوال کا وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اس کائنات میں انسانوں کے تمام احوال و کیفیات کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس لوح محفوظ میں ازل سے لکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی انفرادی اور شخصی زندگی کے حوالے سے اچھائی اور برائی تخلیق کر کے اسے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ دو راستوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرے چاہے تو نیکی اختیار کرے، چاہے بدی اختیار کرے۔ گویا انسان محض مجبور نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کچھ ہی نہ سکے مگر یہ کہ جو کچھ اس کے ہاتھوں سرزد ہوا اور جو آئندہ ہونے والا ہے سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اسی کا نام

تقدیر ہے اور اس پر ایمان لانا ایمان بالقدر ہے۔

ایمان بالقدر قرآنی آیات کی روشنی میں

۱۔ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کے اعمال اور قیامت تک ہونے والے احوال کا علم لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ. (یسین، ۳۶: ۱۲)

’’اور ہر چیز کو ہم نے روشن کتاب (لوحِ محفوظ) میں احاطہ کر رکھا ہے‘‘۔

۲. وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ. (القمر، ۵۴: ۵۲)

’’اور جو کچھ (بھی) انہوں نے کیا اعمال ناموں میں (درج) ہے۔‘‘

۳۔ نیکی اور بدی میں سے ایک راستہ منتخب کرنے کا اختیار جن و انس کو حاصل ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ○ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ○ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ.

(البلد، ۹۰: ۸ تا ۱۰)

’’کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں۔ اور (اسے) ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیے) اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دو نمایاں راستے (بھی) دکھا دیے۔‘‘

۴۔ انسان برائی کا انتخاب خود کرتا ہے اسی وجہ سے وہ عذاب کا حقدار ہوگا۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ.

(البقرہ، ۲: ۸۱)

’’ہاں واقعی جس نے برائی اختیار کی اور اس کے گناہوں نے اس کو ہر طرف

سے گھیر لیا تو وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔‘‘

ایمان بالقدر احادیث مبارکہ کی روشنی میں

۱۔ حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تقدیر پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا:

لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ حَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ وَأَنَّ مَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ.

(ترمذی، السنن، کتاب القدر، رقم الحدیث:۲۱۴۴)

’’جب تک بندہ تقدیر کے خیر و شر پر ایمان نہ لائے مومن نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ جو مصیبت اس کو پہنچتی ہے وہ اس سے خطاء کرنے والی نہیں اور جو مصیبت اس سے خطا کر گئی (نہیں پہنچی) وہ اسے پہنچنے والی نہیں تھی۔‘‘

۲۔ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کی تخلیق سے قبل ان کی تقدیر کو لکھ رکھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ﷺ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ.

(مسلم، الصحیح، ۴:۲۰۴۴، رقم الحدیث: ۲۶۵۳)

’’اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر کو لکھا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔‘‘

۳۔ انسان کو اپنے اور اپنی اولادوں کے لیے دین منتخب کرنے کا اختیار ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ.

(بخاری، الصحیح، رقم الحدیث: ۱۳۲۶)

''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

مسئلہ تقدیر سے متعلق امام اعظمؒ کا قول

وَلَمْ يُجْبِرْ أَحَدًا مِنْ خَلْقِهِ عَلَى الْكُفْرِ وَعَلَى الإِيمَانِ، وَلَا خَلَقَهُمْ مُؤْمِنًا وَلَا كَافِرًا وَلَكِنْ خَلَقَهُمْ أَشْخَاصًا، وَالإِيمَانُ وَالْكُفْرُ فِعْلُ الْعِبَادِ.....وَالْمَعَاصِي كُلُّهَا بِعِلْمِهِ وَقَضَائِهِ وَتَقْدِيرِهِ وَمَشِيئَتِهِ لَا بِمَحَبَّتِهِ وَلَا بِرِضَائِهِ وَلَا بِأَمْرِهِ.

(امام اعظم ابو حنیفہ، الفقه الأكبر، قدیمی کتب خانہ، ص:۴۸)

''اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی شخص کو کفر اور ایمان پر مجبور نہیں کیا، اور نہ ہی انہیں مومن اور کافر پیدا فرمایا بلکہ انہیں اشخاص پیدا فرمایا، اور ایمان اور کفر بندوں کا فعل ہے اور گناہ سارے کے سارے اس (اللہ) کے علم، قضا، قدر اور مشیت میں ہیں نہ کہ اس کی محبت اور رضا میں ہیں۔''

تقدیر کی اقسام

تقدیر قطعاً ایسی چیز نہیں جس میں تبدیلی نہ ہو سکے تقدیر کی درج ذیل تین اقسام ہیں۔

۱۔تقدیر مبرم حقیقی ۲۔تقدیر مبرم غیر حقیقی ۳۔تقدیر معلق

تقدیر مبرم حقیقی بدل نہیں سکتی بقیہ دونوں بدل سکتی ہیں۔خواہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام

کی شفاعت سے ہو یا اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہم کی دعاؤں سے، والدین کی خدمت سے ہو یا صدقہ وخیرات کرنے سے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ.

(الرعد، ۱۳: ۳۹)

''اللہ جس (لکھے ہوئے) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) ثبت فرما دیتا ہے، اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے''۔

حدیث پاک سے بھی تقدیر کے بدلنے کا ثبوت ملتا ہے ارشاد نبوی ﷺ ہے:

لَا يَزِيدُ فِي الْعُمْرِ إِلَّا الْبِرُّ وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِخَطِيئَةٍ يَعْمَلُهَا.

(ابن ماجه، السنن، باب القدر، رقم الحديث: ۹۰)

''نیکی کے علاوہ کوئی شے عمر میں اضافہ نہیں کرتی اور دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر کو نہیں بدل سکتی اور انسان کو رزق سے محروم کرنے والی چیز اس کی بد اعمالی ہے۔''

یہ مختصر سی وضاحت جاننے کی حد تک تھی تقدیر وقضاء کے مسئلے پر بحث کرنا اور خصوصاً جیسا کہ آج کل بغیر علم وفہم کے ہی مباحث سجائی جاتی ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے تقدیر پر بحث کرنے سے منع فرمایا ہے۔

آیات واحادیث کا خلاصہ

۱۔ خیر وشر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس پر ایمان رکھنا لازم ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر وشر کے انتخاب کا اختیار دے رکھا ہے۔

۳۔ انسان کے جملہ اعمال وانجام اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھ رکھے ہیں جو کہ قطعی اور یقینی ہیں۔

۴۔ نیک اعمال اور دعائیں تقدیر ٹال دیتی ہے۔

ضعفِ اعتقاد پر مبنی رسوم سے اجتناب

دینِ اسلام کے احکام اور اوامر و نواہی کا منبع اور سرچشمہ قرآن اور سنت و سیرت نبوی ﷺ ہے۔ اچھے اور صالح اسلامی معاشرے میں لوگ اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسول ﷺ کو ہی معیارِ عمل سمجھتے ہیں۔ تاہم دین سے دوری اور بے عملی کی وجہ سے ہر دور میں کچھ طبقات معاملاتِ حیات میں صراط مستقیم سے ہٹ جاتے ہیں۔ ایسے میں علمائے حق کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ سادہ لوح لوگوں کی ہدایت و رہنمائی فرمائیں۔ جائز اور ناجائز میں، حلال و حرام میں، توحید اور شرک میں فرق سمجھائیں۔ احکامِ دین کی تبلیغ میں ذاتی مفادات کو آڑے نہ آنے دیں ورنہ دین کھیل بن جائے گا۔ ذیل میں بیان کردہ امور میں احتیاط اور پرہیز ضروری ہے۔

مزارات کے درختوں کے نیچے منتیں ماننا

بعض مزارات کے قریب بیری وغیرہ کے درخت ہوتے ہیں جن کے نیچے لوگ چادریں بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ اگر بیر گرے تو اُس کا احترام کرتے ہوئے اُس سے روزہ افطار کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ بیری کے پھل سے بیٹے کی فال نکالتے ہیں اور اگر پتے گریں تو بیٹیوں کی فال نکالتے ہیں۔ کوئی شخص خود بیر توڑ لے تو اُسے بھی سخت برا گردانتے ہیں۔ یہ تمام اُمور توہم پرستی کو فروغ دینے والے ہیں اور ایسے تمام اُمور بے بنیاد ہیں اور شرعاً ان کی کوئی اصل نہیں لہٰذا علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو حقائق سے آگاہ کریں۔

اسی طرح ایسی قبر جس میں کوئی میت نہ ہو کی زیارت کرنے کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ بعض مفاد پرست فرضی مزارات بنا کر ان کے ساتھ اصل مزارات جیسا معاملہ کرتے ہیں۔ فقہائے کرام نے اس عمل سے سختی سے منع کیا ہے۔ محدث بریلویؒ سے اس سلسلے میں پوچھا گیا کہ ’’پیرانِ پیرؒ کے نام سے بعض جگہ مزار بنا لیا گیا ہے۔ بعض لوگ

یہ کہتے ہیں کہ اِن کے مزار کی اینٹ دفن ہے۔ اِس مزار پر یا ایسی جگہ جا کر عرس کرنا، چادر چڑھانا کیسا ہے وہ قابلِ تعظیم ہے یا نہیں؟'' آپ نے جواب دیا: ''جھوٹا مزار بنانا اور اُس کی تعظیم جائز نہیں۔''

(فتاوی رضویه، ۴:۱۱۶)

اِسی طرح بعض اولیاء اللہ کے مزارات کے قریب ایسے درخت ہوتے ہیں جن کے بارے میں لوگوں میں مشہور ہوتا ہے کہ اِن کے کاٹنے سے صاحبانِ مزار ناراض ہو جاتے ہیں لہٰذا اِنہیں کاٹنا مقاماتِ حرم کی طرح حرام ہے۔ یہ سراسر جہالت ہے اور شرک فی التحریم ہے۔ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ درست اور غلط عقیدے میں امتیاز پیدا کریں اور ایسے شرکیہ عقائد سے عوام و خواص کو منع کریں۔

سر پر چوٹی رکھنا

مردوں کا سر پر کسی بھی بزرگ کے نام پر چوٹی رکھنا اور پھر کٹوانے کی نذر و منت ماننا شرعاً جائز نہیں۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلویؒ سے پوچھا گیا کہ کیا مرد کو چوٹی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض فقیر چوٹی رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ حرام ہے، حدیث میں آیا ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَعَنَ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ.

(ابن ماجة، السنن، كتاب النكاح، ۱ / ۶۱۴، رقم الحديث: ۱۹۰۴)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے ان مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت رکھیں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت پیدا کریں، لعنت کی ہے۔''

حضرت فاضل بریلویؒ مزید لکھتے ہیں: ''بعض جاہل عورتوں میں دستور ہے کہ بچے کے سر پر بعض اولیائے کرام کے نام کی چوٹی رکھتی ہیں اور اِس کی کچھ میعاد مقرر کرتی ہیں۔ اِس میعاد تک کتنی ہی بار بچے کا سر منڈے وہ چوٹی برقرار رکھتی ہیں، پھر میعاد گذار

کر مزار پر لے جا کر وہ بال اُتارتی ہیں تو یہ محض بے اصل اور بدعت ہے۔‘‘

(فتاوی افریقہ:۶۸)

مختلف درختوں میں ارواحِ شہداء و اولیاء کا تصور کرنا

کئی دیہاتوں میں بعض درختوں کے ساتھ عجیب و غریب داستانیں اور فرضی قصے کہانیاں سنا کر مجاور لوگ لنگر کے لئے تحائف و ہدایا اکٹھے کرتے ہیں۔ اِن سے متعلق محدث بریلویؒ سے مسئلہ پوچھا گیا: کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر اور فلاں طاق میں شہید مرد رہتے ہیں اور اُس درخت اور اُس طاق کے پاس جا کر ہر جمعرات کو فاتحہ، شیرینی اور چاول وغیرہ دلاتے ہیں، ہار لٹکاتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں۔ کیا شہید مرد ان درختوں اور طاقوں میں رہتے ہیں اور یہ اشخاص حق پر ہیں یا باطل؟‘‘ محدث بریلویؒ نے اس سے منع کرتے ہوئے جواب دیا: ’’یہ سب واہیات و خرافات اور جاہلانہ حماقات و بطالات ہیں اِن کا ازالہ لازم ہے۔‘‘ **مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَان وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ**‘‘

(احمد رضا خان، احکام شریعت، ۱:۳۲)

حلف (قسم اٹھانا) میں احتیاط کا پہلو

شرعی حلف اللہ تعالیٰ کے نام کا ہوتا ہے تاہم فقہائے اُمت کے نزدیک کلام اللہ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے نام پر بھی حلف منعقد ہوجاتا ہے اور مستقبل میں کسی اَمر کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھانا اور پھر توڑ دینے کی صورت میں کفّارہ لازم ہو جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ اگر کوئی شخص کسی اور کے نام کا حلف اُٹھائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اِس کی حرمت اور حیثیت اُسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی یا کلام اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حلف کی، تو یہ عقیدہ اصلاح طلب ہے کیونکہ اعتقاداً کسی اور کے نام پر قسم کی حرمت کو اللہ تعالیٰ کی قسم کی مثل جاننا شرک ہے۔ اگر کوئی شخص بوجہ جہالت یا سہواً کسی اور کی قسم اُٹھائے تو وہ شرعی حلف نہیں ہوگا اِس لئے اِس پر کفّارہ لازم نہیں۔

ایصالِ ثواب اور نذر و نیاز کے طریقوں میں احتیاط

نذر و نیاز برائے ایصالِ ثواب اور گیارہویں شریف وغیرہ جیسے مباح مستحب اور مستحسن اُمور کے بارے میں بعض علاقوں میں بہت سی چیزیں بوجہ جہالت رواج پا گئی ہیں جو ازروئے شرع جائز نہیں مثلاً کوئی یہ کہے کہ اگر اُس نے گیارہویں کا دودھ نہ دیا تو اِس کی وجہ سے بھینس یا گائے مر جائے گی یا وہ بیمار ہو جائے گی یا رزق کم ہو جائے گا، اولاد کی موت واقع ہو جائے گی، گھر میں نقصان ہو جائے گا۔ اِسی طرح کاروبار اور کھیتی میں بزرگوں کا حصہ یعنی زکوٰۃ اور عشر شرعی وغیرہ سے الگ بزرگوں کی سالانہ شیرینی جو عوام میں مروج ہے یہ شرعاً دینا تو جائز ہے لیکن نہ دینے پر توہم پرستی کو فروغ دینا جائز نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں بوجہ جہالت فروغ پا جاتی ہیں اور پھر لوگ اِن کے ساتھ نفع و نقصان کا عقیدہ وابستہ کر لیتے ہیں جو کہ شرک فی العبادت ہے لہٰذا اِن اُمور سے بچنا ضروری ہے۔

ائمہ اہلِ بیت اطہار کے لئے نیاز برائے ایصالِ ثواب مسلمانوں کا معمول ہے۔ اس عمل میں بھی بعض حالتوں میں افراط و تفریط کا عنصر موجود ہے۔ اس مستحب عمل کو بجا لانے والے اگر نذر کی طرح فرض اور واجب سمجھ کر اسے ادا کریں تو یہ بھی احکامِ شریعت سے انحراف ہے۔ اسی طرح اس کے ردعمل میں بعض لوگ اس مستحب عمل کو قطعی حرام اور شرک کے زمرے میں شامل کر کے ختم نیاز وغیرہ کا اہتمام کرنے والوں کو مشرک ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہ عمل مستحب ہے اس میں حرمت اور شرک کی کوئی علت موجود نہیں ہوتی۔ ایسی نذر و نیاز کے ساتھ بعض لوگ اپنی طرف سے طرح طرح کی شرائط و حدود اور پابندیاں عائد کرتے ہیں مثلاً فلاں شخص کھا سکتا ہے، فلاں عورت نہیں کھا سکتی، گھر سے باہر لے جانا منع ہے وغیرہ وغیرہ۔ اِسی طرح اولیاء اللہ کے نام جانوروں کو منسوب کر کے اُن کا احترام بجا لانا، اُن سے کوئی کام لینا شرعاً حرام سمجھنا، ایسا عقیدہ شرک فی التحریم میں شمار ہوتا ہے لہٰذا عوام پر ایسی باریکیاں واضح کر دینی چاہئیں۔